ماہنامہ

# ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

# يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ (الاعراف : ۲۶)

(اے اولاد آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور تمہارے بدن کو زینت بخشے)

## خوش پوشی کے لیے

لٹھا : نفیس ، موتی محل

پاپلین : کے آر ۲۲۷-۱۰۱-پی

ڈریس فیبرکس : سوہنی

-لان -کیمرک اور کریپ

کوہ نور
راولپنڈی

KTM

KOHINOOR TEXTILE MILLS LIMITED
RAWALPINDI

KTM/ 6-77

SCRO

ترجمان القرآن لاہور

# فہرست مضامین

جلد ۸۹ | مارچ ۱۹۷۸ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۸ھ | عدد ۱



ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۱۰۱۷

زرِ سالانہ بیس روپے - فی پرچہ -/۲ روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

قومی سیرت کانفرنس کا راولپنڈی میں انعقاد (۲۰ - ۲۱ فروری) حکومت اور محکمۂ امورِ دینیہ کا ایک مبارک کارنامہ ہے۔ مبارک کارنامہ نہ صرف موضوع کے لحاظ سے، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ سالِ رفتہ کی سیرت کانفرنس کے مقابلے میں اس کانفرنس کا رنگ بہت مختلف تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ پورا نقشہ ہی تبدیل ہوگیا ہے۔ کسی معاشرے میں تبدیلی جب آئے تو اس کے اثر سے زندگی کے ہر شعبے اور دائرے میں افراد کے رویّوں اور حکومت کی پالیسیوں کو بدل جانا چاہیے، بلکہ خود مردانِ کار کی ساری ترتیب دگرگوں ہوجاتی ہے۔ بہرحال زندگی کے دوسرے شعبوں سے قطعِ نظر، قومی سیرت کانفرنس کے داعیان اور مدعوئین، مختلف نشستوں کے اصحابِ صدارت اور مقالہ نگار سب کچھ پہلے سے مختلف تھا۔

حکومت اور محکمۂ امورِ دینیہ کے سر ایک اچھے کام کا سہرا باندھنے میں ڈاکٹر امین اللہ وثیر کا حصّہ بے حد نمایاں تھا، جو متذکرہ محکمے کے ڈائرکٹر جنرل اور سیرت کانفرنس کے داعیان و منتظمین میں پیش پیش تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اگرچہ بالمشافہ ملاقاتیں کم ہی ہوئیں، مگر میری معلومات یہ ہیں کہ موصوف نے اپنے اب تک کے دور میں علمی، تعلیمی اور دینی حیثیت سے دین و وطن کی بہترین خدمات بڑے صاف ستھرے کردار کے ساتھ ادا کی ہیں۔ یوں تو سیرت پاک کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہنا باعثِ ثواب ہے، مگر چونکہ میرا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ سیرت النبیؐ کے اسٹیج سے بسا اوقات غلط قسم کے رجحانات اچھالے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے میری نظر اس بات پر رہتی ہے کہ مرکزی کارپرداز کون ہے۔ دعوت نامہ چونکہ ڈاکٹر امین اللہ وثیر کا جاری کردہ تھا۔ اس لیے میں نے کسی تامل کے بغیر پورے اعتماد سے اسے قبول کر لیا۔

---

پہلی نشست چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق صاحب کے افتتاحی خطاب کے لیے مخصوص تھی۔ یہ جذبہ انگیز تقریر اخبارات میں آ چکی ہے۔ اس تقریر نے سامعین کے اندر نظامِ اسلامی کے تمنا کے چراغوں کی لَو اُمید کا تازہ روغن ڈال کر بڑھا دی۔

باقی نشستوں میں تقریباً چالیس مقالہ نگاروں کو اپنی اپنی فکر و تحقیق کا ماحصل اپنے پسندیدہ موضوعات کے مطابق پیش کرنا تھا۔ فہرست دیکھی تو بہت سی شخصیتیں جانی پہچانی تھیں، بعض سے غائبانہ تعارف بھی تھا۔ کچھ لوگ نئے بھی تھے جن میں "خواتین" زیادہ اور "حضرات" کم تھے۔ ڈاکٹر اے وحید قریشی، ڈاکٹر اے ڈبلیو جے البیتیا، ڈاکٹر مجیب الرحمٰن پشاور، پروفیسر کرار حسین (جن سے ریڈیائی لہروں کی معرفت شناسائی تھی)، مولانا محمد ایوب جان بنوری، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، پروفیسر مرزا محمد منور، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، پروفیسر حافظ احمد یار، مولانا تقی عثمانی، صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ، پروفیسر بیگم زینب کاکاخیل اور جناب اے کے بروہی (پہلے روز کی دو نشستوں کے صدر) ایسے اصحاب ہیں جن سے یا تو ملاقات کا موقع ملا، یا اُن کے مقالات سُنے، بعض مدعوئیں مثلاً مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، حکیم محمد اشرف، ڈاکٹر اسرار احمد دیکھنے میں نہیں آئے۔ شاید کسی ایسی نشست میں پہنچے ہوں جس میں مَیں حاضر نہ ہو سکا۔ اسی طرح ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی معذرت کی اطلاع مجھے مل گئی تھی۔ کانفرنس میں ایسے اہلِ ایمان و شعور حضرات کا غلبہ دیکھ کر اُمید بندھی کہ ٹیڑھی باتیں کرنے والوں کے لیے میدانِ تنگ و تار خاصا تنگ ہے۔

جن مقالات یا تقاریر سے استفادہ کرنے کا مجھے موقع ملا، ان میں خاص اہمیّت جناب اے کے بروہی، پروفیسر مرزا محمد منور، مولانا تقی عثمانی، پروفیسر بیگم زینب کاکاخیل، حافظ احمد یار کے افکار کو حاصل ہے۔ پھر بطورِ خاص مَیں جناب کرار حسین کے صدارتی خطاب کو اہمیت دیتا ہوں۔ وہ بڑے ٹھہراؤ سے بولے، جذبۂ ایمانی کے ساتھ فلسفہ کا رنگ جھلکتا تھا۔ تکلّم بڑے وقار سے جاری رہا۔ بیان میں کشادہ دلی اور مطالب میں بڑی وسعت نمایاں تھی۔ جن دل پسند اصحاب کو نہیں سُن سکا، اُن کے بارے میں تو کیا کہوں، البتہ جن حضرات کو سُنا، اُن کے مقالات کا مجلس پر گہرا اثر دیکھ کر یہی رائے دے سکتا ہوں کہ مجلس پر انہی اہلِ دل و نظر کا رنگ غالب رہا۔

فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

مگر مغربیت کے پروردہ کردہ انتشاری رجحانات نے بھی سیرتِ طیبہ کے اسٹیج پر اپنی کچھ نہ کچھ جھلکیاں دکھا ہی دیں۔ اور آفرین ہے۔ کج فکر عناصر کی جرأت پر کہ وہ نہ کسی مجلس کی فضا کو دیکھتے ہیں، نہ غالب رجحانات کی پروا کرتے ہیں۔

نشست دوم کے لیے ہم جمع ہوئے تو مقالات کے اعلان شدہ پروگرام کے بجائے یکایک ایک اعلان ہوا کہ مس فلاں اور بیگم فلاں میجک لنٹرن کے ساتھ سیرت کے متعلق ایک پروگرام پیش کریں گی۔ تمام چہرے سوالیہ نشان بن گئے کہ بیچ میں یکایک یہ پروگرام کدھر سے آگیا ہے اور اعلان شدہ پروگرام کیوں مؤخر کر دیا گیا ہے۔

خیبر ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے زیر استعمال ہال کی زیادہ روشنیاں گل کر دی گئیں، صدر مجلس جناب اے کے۔ بروہی اور اسٹیج سیکرٹری اور ان کے معاون نیچے آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، کیونکہ میجک لنٹرن کی تصاویر دکھانے کے لیے پردہ سفید کرسی صدارت کی پیچھے کی دیوار پر آویزاں کیا گیا تھا۔ اب پروگرام شروع ہوا جو اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ ایک کارکن میجک لنٹرن کو ہینڈل کر رہے تھے، ہر تصویر آنے پر ایک نوجوان صاحبزادی ڈائس سے ڈرامائی مکالموں کی طرح یاد کیے ہوئے چند جملوں پر مشتمل ایک مختصر سی تقریر کرتیں، پھر ان کے قریب بیٹھی ہوئی ایک خاتون نہ صرف کھلے چہرے کے ساتھ، بلکہ میک اپ کے ساتھ فنی مہارت سے کوئی ایک نعتیہ شعر پڑھتیں، پھر نئی تصویر آتی اور پھر وہی چکر چلتا۔ میجک لنٹرن کی یہ مصیبت کہ اس میں خرابی تھی اور صرف بیت اللہ، مسجد نبوی، مسعیٰ اور مسجد ذوقبلتین کی تین چار تصاویر ہی سامنے آسکیں اور وہ تصاویر بھی فنی معیار کے لحاظ سے معمولی تھیں۔ صاحبزادی جو جملے بولتی ہیں ان میں تصنع کا رنگ غالب تھا۔ مزید ستم یہ کہ تلفظ کی نہایت فاش غلطیاں۔ سیرت کے بارے میں جو مواد پیش کیا گیا اس کی سطح بس یہ تھی کہ کسی سکول میں طلبا یا طالبات کو کچھ عام سی معلومات مل جائیں۔ شرکائے مجلس دو چار منٹ کے بعد "بور" ہونے لگے، مگر معاملہ سیرت کا تھا لہٰذا خاموش بھی رہے۔ اپنا حال تو یہ تھا کہ جیسے اعصاب چند ہی لمحوں میں چور چور ہو جائیں گے۔ ستم ظریفی کی حد ہے کہ یہ سمعی و بصری پروگرام آدھ پون گھنٹے تک طول پکڑ گیا، حالانکہ فاضل مقالہ نگاروں سے وقت کی قلت کے پیش نظر دس دس منٹ میں اپنے اپنے مقالات کا محض تعارف کر لینے پر اکتفا کرنے کی درخواست بار بار کی گئی۔ آخر اس چکر سے نجات دلانے کے لیے نماز کام آئی۔ نماز کے وقت کا مطبوعہ پروگرام میں جو اندراج تھا، اس کے مطابق منتظمین نے نشست کے خاتمے کا اعلان کر کے علماء اور ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی جان بخشی کرائی، ورنہ وہ سب یہاں سے مڈل اسکول کے طلبہ بن کے اٹھتے۔ خاتمہ جس خاموشی اور اداسی کے ساتھ ہوا، اور پھر سب لوگ اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے جس

بے تابی سے دل سے نکلے ، اس سے بہتر داد اس ستم ظریفی کی کیا ہو سکتی تھی ؟[۱]

---

بعدہٗ چند اچھے مقالات کے غلامے سن کر جی خوش ہو گیا - ایک صاحب[۲] نے انگریزی میں اپنے مقالے کے چند اقتباس سنائے جو اجتہاد کے موضوع پر تھے - انداز بیان اشاراتی سا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ صراحت سے گریز کیا گیا ہے - ان اقتباسات کو سن کر یہ تاثر ہوتا تھا کہ اب انسانیت عقلی بلوغ کے جس دَور میں داخل ہو چکی ہے اس میں وحی کے متعین حدود سے زیادہ وسیع دائرے میں سوچنا ضروری ہو گیا ہے - اجتہاد کے متجددانہ تصورات پہلے بھی اس ملک میں بار بار وضاحت سے لائے جا چکے ہیں، اور ان تصورات میں سے کسی نے جڑ نہیں پکڑی - تاہم اس مضمون کو سن کر قدرے کوفت ہوئی - اس قسم کے مباحث اگر کسی کو اٹھانا ہی ہوں تو کسی بھی ہال اور کسی بھی جریدے میں اٹھائے جا سکتے ہیں، آخر تذکرۂ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجالس ہی کی فضا کو کیوں غبار آلود کیا جائے - یہاں لوگ فلسفہ ہائے جدت سننے کے لیے جمع نہیں ہوتے تھے، یہاں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چھاؤں میں انسانیت کے معیاری نمونے کی سوانح و سیرت اور تعلیم و پیغام کی یاد تازہ کرنے کے لیے اہل دل اور اہل دماغ دُور دُور سے آئے تھے - مغرب کے نفوذ کردہ ترقی و جدت کے فلسفوں کے لیے اپنے شگوفے چھوڑنے کو معاشرے کی بہت سی پہنائیاں موجود تھیں -

فاضل صدر مجلس کے دل میں بھی احساس کی لہر اٹھی، اور انہوں نے فرمایا کہ صاحب مقالہ کو اپنے یہ خیالات کھل کر اردو میں پیش کرنے چاہئیں تھے، اور بعد کی صدارتی تقریر میں انہوں نے اس خوبی سے سلسلۂ نبوت، ضرورت وحی، انسانیت کے عقلی بلوغ اور مسئلہ اجتہاد کو مثبت انداز میں پیش کیا کہ بے اختیار ان کے لیے دعائیں دل سے اٹھیں -

---

[۱] سیرت پاک کو کھیل تماشے کے رنگ میں پیش کرنے پر مجھے جو غم آمیز اضطراب ہوا، اس کے دباؤ کی وجہ سے مجلس سے اٹھتے اٹھتے یہ جملہ معتدل سی آواز میں میری زبان پر آ گیا - (THE CLASS IS VERY THANKFUL (FOR SUCH A GOOD LESSON

[۲] میں نے بعض وجوہ سے دانستہ اس طرح کے تمام نام حذف کر دیے ہیں - کیونکہ مسئلہ کسی کی ذلت کا نہیں، ایک قابل احترام موضوع کے تقاضوں اور اس پر پیش کیے جانے والے غلط مواد کا ہے -

ایک اور صاحبہ بھی اپنا کام کر گئیں۔

بظاہر وہ یہ بحث لے کے آئی تھیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا۔ مگر وہ بلندیٔ رتبہ کا کچھ ویسا ہی مفہوم سمجھتی تھیں جیسا کہ دورِ حاضر کی مادہ پرستانہ تہذیب نے پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ وہ اسی گھسے پٹے قصّے کو لے بیٹھیں جسے جدت طرازوں نے کئی بار یہاں چھیڑا، مگر بات بنتی نہیں۔ محترمہ نے سکینہ بنت حسین کا تذکرہ کیا کہ وہ ثقافتی لحاظ سے بڑا رتبۂ بلند رکھتی تھیں اور موسیقی کی فن کار ہی نہیں، استاذ تھیں۔ گویا (نعوذ باللہ) چمنستانِ محمدیؐ ایسے ہی گُل کھلانے کے لیے آراستہ ہوا تھا۔ کسی کو اس سلسلے میں دادِ تحقیق دینی ہو تو وہ یہ دکھا دے کہ آیا حضورؐ کو ذوقِ موسیقی تھا یا عمر بھر میں چار چھ بار انہوں نے راگ رنگ کی محفلوں میں شرکت کی، یا کتنے موسیقی کے ماہرین و ماہرات عہدِ سعادت اور خلافت راشدہ کے چار ادوار میں پیدا ہوئے۔ (خدا اس قسم کی مجبورانہ گفتگو پر بھی مجھے معاف کرے) تاریخ کے یہ سارے ورق اُلٹ کر یکایک ایک نام سکینہ بنت حسین کا اچھال دیا جاتا ہے جسے سُن کر مطالعہ سے محروم لوگ اس مغالطے میں پڑ جاتے ہیں کہ (خدا معاف کرے) یہ امام حسین کے گھرانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضورؐ پر ایمان رکھنے والوں کی ذمہ داری تو بس اتنی ہے، علمی و تحقیقی میدان میں قدم رکھنے والوں کو دورِ جدید کے پروپیگنڈا کے انداز میں لوگوں کو مغالطوں کا شکار بنا کر الو سیدھا نہیں کرنا چاہیے۔ حقیقت یوں ہے کہ یہ نام "سَکِینَہ" نہیں، بلکہ "سُکَینَہ" ہے اور حُسَین سے مراد سیدنا امام حسین نہیں، بلکہ بعد کی ایک عام شخصیت ہے۔ اب جس صاحبۂ مقالہ و تحقیق کو اپنے پیش کردہ کسی تاریخی نام کا تلفظ ہی معلوم نہ ہو، اُس پر تحقیق کی تہمت چسپاں کرنا ہی زیادتی ہے۔ اُس سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ یہ صاحبہ اہلِ علم کے ایک مجمع کو سیرتِ پاک کے اسٹیج سے خطاب فرماتی ہیں۔ پھر یہ قصہ کسی مستند تاریخی ماخذ سے نہیں لیا گیا بلکہ غالباً خاتونِ موصوفہ نے تو حوالہ بھی بیان نہیں کیا (ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقالۂ عالیہ میں کچھ اندراج کیا ہو)۔ یہ قصہ کتاب الاغانی سے لیا گیا ہے جو تاریخ کی کتاب نہیں، بلکہ ادب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر اس میں رطب و یابس قسم کے لطائف و کثائف جمع کیے گئے ہیں، خصوصاً بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار اس میں منعکس ہیں۔ اس کتاب کا درجہ الف لیلہ سے ذرا سا بلند ہے، مگر کتبِ تواریخ سے بہت فروتر۔ خدا کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تلقینات کی بات کرنی ہو تو اصل بنا قرآن اور احادیث اور امہاتِ کتبِ سیرت پر رکھنی چاہیے۔ کوئی استفادہ ہوتا تو موطا یا بخاری سے ہوتا، کوئی تذکرہ بیان کیا جاتا تو اس کی بنیاد ابن اسحٰق اور ابن ہشام، یا طبری اور بلاذری کی مستند روایات پر ہوتی۔ یہ کیا

ٹک ہے کہ بیان ہو رسولؐ پاک کے مقرر کردہ مرتبۂ نسائیت کا اور قصہ سنایا جائے کتاب الاغانی میں سے۔ مگر خاتون اس قسم کے احساسات سے بہت بلند ہو کر اپنی پسندیدہ فضا میں اُڑتی چلی جا رہی تھیں۔

میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک دوست کچھ مضطرب سے ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اب اس کا توڑ کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ سوالات کے وقفے میں ان سے صرف حوالہ پوچھ لیجیے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ چنانچہ مقالہ کی تلخیص پیش کر کے وہ سدھارنے لگیں تو میرے ہم نشیں نے پوچھ ہی لیا کہ محترمہ آپ کے بیان کردہ قصے کا حوالہ کیا ہے؟ اس پر وہ کہنے لگیں کہ بس اب جانے بھی دیجیے، یہ کہتے کہتے وہ اسٹیج سے اُتر گئیں اور اسٹیج سیکرٹری نے اگلے مقالہ نگار کا نام پکارا۔ اصل میں مجمع بھی اُن صاحبہ کی گفتگو سے اتنا اُکتایا ہوا تھا کہ لوگوں نے یہی غنیمت سمجھا کہ نجات ہوئی۔ جان بچی سو لاکھوں پائے۔

---

ایک چیز اور دوسرے روز دوپہر کے قریب دلچسپ رہی۔

پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ تعلیم و تربیت پر مقالہ پڑھا۔ حافظ صاحب مطالعہ رکھتے ہیں۔ اور وادیٔ تحقیق میں بھی لیلیٰ معنی کے محمل کا تعاقب کرتے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی بات کو وزنی اور مؤثر ہونا چاہیے تھا اور وہ تھی۔

انہوں نے مقالہ ختم کیا تو حسبِ اعلان مجمع کو دعوتِ سوالات دی گئی۔ مجھ سے ڈیڑھ گز کی دُوری پر اگلی قطار میں ایک نوجوان بیٹھے تھے، وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سوال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کی اوّلیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دنیا میں مخلوط نظامِ تعلیم کا آغاز ہوا، چنانچہ بعض خواتین سے مردوں نے اور بعض مردوں سے خواتین نے علم حاصل کیا۔ لیکن آپ کے مقالے سے بالکل دوسرا ہی تاثر حاصل ہوتا ہے۔

سلسلۂ گفتگو کو ذرا ایک طرف چھوڑ کر آپ ذرا انحرافی ذہنوں کی جسارت دیکھیے کہ بجائے اس کے کہ وہ دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ کی عمرانیاتی خصوصیات کو تسلیم کر کے اس طرح کی باتیں کریں کہ نئے زمانے کی کچھ نئی ضروریات ہیں، اور شریعت ہر زمانے کے لیے ہے، لہٰذا اجتہادی طور پر ہمیں مخلوط تعلیم اور بے پردہ معاشرت کے لیے راستہ نکالنا ہی ہو گا، اُلٹا اب انہوں نے یہ نیا انتہا پسندانہ اور جارحانہ موقف ڈھونڈ نکالا ہے کہ مخلوط تعلیم کا تو راستہ ہی ہمارے نبیؐ نے کھولا تھا۔ اب اس جارحانہ دعوے

کے مقابلے میں کرتے رہیے مدافعانہ استدلال۔ بحث و اختلاف میں حریف کی مہارت کی ایک شکل یہی ہوتی ہے کہ وہ مثبت موقف رکھنے والے داعیانِ حق کو دھکیل کر مدافعانہ مقام تک لے جائیں۔ یہی حربہ ایک نوجوان نے ایک پختہ سال استاذ کے خلاف استعمال کیا۔

مگر حافظ صاحب نے اپنے ایمان اور مطالعہ و زورِ استدلال کی سرشاری میں بڑے سادہ سے اسلوب میں جواب دیا اور انہوں نے فضا صاف کر دی۔ حافظ صاحب نے دو باتیں کہیں: ایک یہ کہ میں نے جو بحث کی ہے اس کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور اور اسوہ و تعلیم سے ہے۔ بعد کے رنگا رنگ ادوار بالکل الگ چیز ہیں۔ ہمارے لیے اموی اور عباسی یا کسی اور زمانے کو دینی حیثیت سے مثال نہیں قرار دیا گیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دَورِ نبوتؐ اور دَورِ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی حالات کے بگاڑ کے باوجود تابعین اور تبع تابعین کے ہاں ایسا کوئی تعلیمی نمونہ نہیں ملتا ہے کہ مرد اور عورتیں ایک بنچ پہ بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں، یا عورت بہ حیثیت استاد اور بہ حیثیت شاگرد مردوں کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ آئے۔ جن خواتین نے مردوں کو تعلیم دی انہوں نے بھی پردے میں بیٹھ کر دی، اور جنہوں نے مرد اساتذہ سے پڑھا سیکھا انہوں نے بھی حجاب و نقاب کا پورا اہتمام کیا۔

پھر حافظ صاحب نے بطور جملہ معترضہ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے نبی کی تعلیم یا ہمارے دین کا مقرر کردہ طریقہ جو کچھ ہے اس پہ آخر شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ دُنیا میں اور بھی قومیں ہیں اور ساری دنیا سے مختلف اپنے اطوار و اقدار کو مضبوطی سے لے کے چلتی ہیں۔ مثلاً اسرائیل کے پروٹوکول میں یہ بات شامل ہے کہ پوری ریاست میں لحم خنزیر ( PORK ) نہیں ملے گا۔ باہر سے سفیر اور سیاح اور کاروباری اصحاب ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں لیکن کوئی شخص نہ سرکاری ضیافتوں اور مہمان خانوں میں، نہ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں میں کہیں بھی ایک شئے ممنوعہ کو نہیں پا سکتا۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی نہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور نہ اس کمی پہ اسرائیل کو فرسودگی اور رجعت پسندی کا طعنہ دیتا ہے۔ دوسری مثال انہوں نے سعودی حکومت کی دی کہ ان کے سربراہان جب بھی انڈیا میں گئے تو کسی نے گاندھی جی کی سمادھی پہ جا کر پھولوں کی چادر نہیں چڑھائی اور نہ اُن سے ایسی اُمید رکھی، نہ کوئی شکایت ہی پیدا ہوئی۔ کوئی شخص یا قوم اگر اپنے مسلک و شعار کو اعتماد کے ساتھ اختیار کرے اور اعتماد کے ساتھ دوسروں کے سامنے رکھ دے تو اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ اسی طرح اگر پاکستان میں بھی مخلوط تعلیم و معاشرت کا انسداد کر دیا جائے تو جھینپنے شرمانے کی ضرورت (باقی بر صفحہ ۴۴)

# تعزیراتِ اسلام

## (۵)

از جناب مولانا قاضی بشیر احمد صاحب

## پانچویں فصل

(حد کو معاف کرنے اور اس کی سفارش کرنے کے بیان میں)

دفعہ ۱۶ | سرقہ - قطع الطریق (رہزنی) - حدِ زنا اور شربِ خمر کے مقدمات کو نہ معاف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان میں سفارش کی جا سکتی ہے - البتہ ان مقدمات کو عدالت میں دائر کرنے سے قبل فریقین اگر آپس میں صلح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

تشریح :- مذکورہ مقدمات کا شمار حدودِ خالصہ میں ہوتا ہے جن کا تعلق حق اللہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو کوئی بندہ معاف نہیں کر سکتا - چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "حدود کو آپس میں معاف کر دو لیکن اگر مجھ تک حد کا کوئی مقدمہ پہنچ جائے تو پھر معاف نہیں ہو سکتا"[۱]

ان مقدمات میں سفارش کرنا اور اس کا قبول کرنا بھی جائز نہیں ہے - چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کے قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے اسے قطع ید سے بچانے کے لیے سفارش کرانے کا ارادہ کیا - مگر آپؐ کے پاس سفارش کون کرے؟ یہ بڑی ہمت کی بات تھی جس کے لیے ان کو مناسب آدمی تلاش کرنا پڑا - انہوں نے حضرت اسامہؓ بن زید کو منتخب کیا،

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح ص ۱۴۳ ج ۷ مکتبہ امدادیہ ملتان، والمبسوط ص ۱۰۶ ج ۹ مطبوعہ مصر

کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھے۔ مگر جب انہوں نے سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا "کیا تم اللہ تعالیٰ کی ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو"؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے اُن کا یہی طریقہ تھا جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور ضعیف چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔[۱]

# چھٹی فصل

## (مال مسروقہ کے ضمان اور عدم ضمان کے بیان میں)

دفعہ ۱۶: و۔ حد کے نفاذ کے بعد اگر مال مسروقہ سارق کے پاس موجود ہو، خواہ کل ہو یا بعض، مسروق منہ کو واپس کیا جائے گا۔ اور اگر وہ کل یا بعض ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے ضائع کر دیا ہو خواہ حد کے نفاذ سے پہلے ضائع ہو گیا ہو یا بعد، تو ان صورتوں میں سارق پر تاوان عائد نہ ہوگا۔

اگر سارق نے متعدد چوریاں کی ہوں مگر حد صرف آخری چوری پر نافذ ہوئی ہو تو یہ حد پہلی تمام چوریوں کی جانب سے متصور ہوگی۔ لہٰذا بقیہ چوریوں کے عوض سارق پر تاوان عائد نہ ہوگا۔[۲]

ب۔ البتہ اگر سارق نے مال مسروقہ کا مالک کسی دوسرے آدمی کو بیع یا ہبہ یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ بنا دیا ہو، تو یہ تملیک باطل متصور ہوگی۔ یہ مال اگر قابض کے پاس موجود ہو تو یہ مسروق منہ کو واپس دیا جائے گا اور مشتری نے جو قیمت سارق کو دی ہو وہ اس سے واپس لے گا۔ اور اگر مال قابض کے پاس موجود نہ رہا ہو تو نہ سارق پر تاوان عائد ہوگا اور نہ قابض پر۔ خواہ تملیک حد سے پہلے ہوئی ہو یا بعد۔[۳]

ج۔ حد کے نفاذ کے بعد سارق پر اس صورت میں بھی تاوان عائد نہ ہوگا جب کہ اس نے مال کے اندر کوئی نقص پیدا کر دیا ہو۔ البتہ مال کو مسروق منہ کے حوالہ کیا جائے گا بشرطیکہ وہ موجود ہو۔ اور اگر اس نے

---

[۱] مسلم مع شرح النووی ص ۶۴ ج ۲۔

[۲] بدائع الصنائع ص ۸۴، ۸۹ ج ۷، و در مختار ص ۲۱۱ ج ۳ مطبوعہ مصر۔

[۳] بدائع الصنائع ص ۸۹ ج ۷۔

مال کے اندر ایسا تصرف کیا ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی قدر میں اضافہ ہو گیا ہو تو اس صورت میں مال کو جبری طور پہ مسروق منہ کو واپس نہ کیا جائے گا[1]

۵ - اگر سرقہ ثابت ہو چکا ہو مگر شرائطِ تنفیذِ حد میں سے کسی شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے حد نافذ نہ ہو تو اس صورت میں ضروری ہو گا کہ مال اگر موجود ہو تو مسروق منہ کو واپس کیا جائے، اور اگر وہ ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے ضائع کر دیا ہو تو وہ اس کی قیمت بطور تاوان، مسروق منہ کو ادا کرے گا[2]- اور اگر اس نے کسی کو قتل یا زخمی کیا ہو تو اس کو قصاص اور جراحات کے قانون کے تحت سزا دی جائے گی۔

۶ - مجنون اور نابالغ پہ حد سرقہ جاری نہ ہو گی - البتہ وہ مال کے ضامن ہوں گے[3]

تشریح ۱ فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے کہ حد کے نفاذ کے بعد اگر مالِ مسروقہ سارق کے پاس موجود ہو تو مسروق منہ کو واپس کیا جائے گا - البتہ اگر مال مسروقہ ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے ضائع کر دیا ہو تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے - امام مالکؒ کے نزدیک سارق کی حالت کو دیکھا جائے گا - اگر وہ مالدار ہو تو اس پہ تاوان عائد کیا جائے گا ورنہ نہیں؛ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سارق پہ ہر حال میں تاوان عائد کیا جائے گا[4] احناف کے نزدیک سارق پہ تاوان لازم نہیں آتا خواہ مال مسروقہ ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے دانستہ ضائع کر دیا ہو - ان کی دلیل یہ ہے کہ:

قرآن میں حکم کے الفاظ یہ ہیں - "فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ" اس آیت میں لفظ "جزاء" کا ذکر ہے اور جزاء نام ہے اس بدلے کا جو کسی عمل کے مقابلے میں دیا جاتا ہے - جب اللہ تعالیٰ نے فعل سرقہ کی پوری جزاء قطع ید قرار دی ہے تو اب مزید کوئی سزا نہیں دی جا سکتی، ورنہ کتاب اللہ پہ زیادتی لازم آئے گی جو حرام ہے - لہٰذا قطعِ ید کے بعد سارق پہ تاوان عائد نہ ہو گا - چنانچہ اس کی مزید وضاحت حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے - قال علیہ السلام

---

[1] بدائع الصنائع ص ۸۹ ج ۷ -

[2] بدائع الصنائع ص ۸۹ ج ۷ -

[3] در مختار ص ۱۹۸ ج ۳

[4] احکام القرآن للجصاص ص ۴۳۱، ۴۳۲ ج ۲ مطبوعہ بیروت۔

"اذا اقمتم علی السارق الحد فلا غرم علیہ"[1] یعنی جب تم سارق پر حد قائم کر لو تو اب اس پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا۔

علاوہ ازیں تاوان کا عائد کرنا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ تاوان ملکیت کا سبب ہوتا ہے، اور ملکیت مال کے لینے کے وقت سے متصور ہوتی ہے، لہٰذا اگر ہم سارق پر تاوان عائد کریں تو لازم آئے گا کہ حد سرقہ سارق کی اپنی ملکیت میں نافذ ہوئی اور یہ خلافِ قانون ہے۔ اس لیے تاوان عائد نہ ہوگا۔[2] البتہ ضائع کر دینے کی صورت میں سارق کے لیے ضروری ہے کہ وہ از خود تاوان ادا کرے مگر اس پر کسی طرح کا جبر نہ ہوگا۔[3]

تنقیح ہے[4] اگر حد ایک سے زائد بار سرقہ کرنے کے بعد نافذ ہوئی ہو تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جس سرقے پر حد نافذ ہوئی ہو اس کے علاوہ باقیوں کی وجہ سے سارق پر تاوان عائد کیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مسروق منہ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار تھا، یعنی یہ کہ وہ مال کا دعویٰ کر کے اپنا مال وصول کرے یا سرقہ کا دعویٰ کر کے "حق اللہ" کو پورا کرائے جس کا حاصل یہ ہے کہ سرقہ کا دعویٰ تاوان کو ساقط کرتا ہے۔ لیکن حق اللہ کو پورا کرنا اب ممکن نہ رہا۔ اس لیے کہ وہ (یعنی قطع ید) پہلے پورا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب اس کے لیے دوسری صورت یعنی تاوان کی وصولی ہی ممکن ہے۔ اور اس کو یہی سارق سے دلوایا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سارق پر تاوان لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ حد کے نفاذ کا فائدہ چونکہ سب کو پہنچتا ہے اس لیے ایک ہی حد سب کی طرف سے شمار ہوگی۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب کہ حد سب دعویداروں کی نالش سے نافذ نہ ہوئی ہو۔ اور اگر حد ان تمام لوگوں کی نالش سے نافذ ہوئی ہو جن کے مال سے سرقہ ہوا ہے تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حد سب کی جانب سے متصور ہوگی اور سارق پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مال موجود ہو تو مسروق منہ کو واپس کیا جائے گا۔[4]

---

[1] رواہ النسائی۔

[2] احکام القرآن للجصاص ص ۴۳۱ - ۴۳۲ ج ۲ بیروت و بدائع الصنائع ص ۸۴، ۸۵ ج ۷۔

[3] درمختار ص ۲۰۷ جلد ۳ مطبوعہ مصر۔

[4] ردالمحتار ص ۲۱۷ ج ۳ و بدائع الصنائع ص ۸۵، ۸۶ ج ۷۔

تشریح ۳ :- اگر سارق نے مال کے اندر ایسا تصرف کیا ہو جس سے کہ اس کی قیمت میں اضافہ ہو گیا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ مال مسروق منہ کو واپس نہیں کیا جائے گا صرف قطع کی سزا ہی کافی ہوگی۔ البتہ ان کے نزدیک سارق کے لیے اس سے انتفاع جائز نہ ہوگا لہٰذا وہ بغیر جبر کے دیانت کے طور پر اسے واپس کرے۔ صاحبین کے نزدیک مال کو مسروق منہ کے حوالے کیا جائے گا۔ البتہ سارق کے تصرف سے جو قیمت زائد ہوئی ہے وہ زیادتی سارق کو واپس دی جائے گی[1]۔

دفعہ ۱۸ محفوظ مقام سے مال کو باہر نکالنے سے قبل ہلاک کرنا موجب ضمان ہوگا[2]۔

تشریح :- مال کے ہلاک ہونے کی صورتیں :-

مندرجہ ذیل صورتوں میں مال کو ہلاک متصور کیا جائے گا۔

۱۔ روپیہ، پیسہ یا اور کوئی چیز نگل کر سارق محفوظ مقام سے باہر آ جائے[3]۔

۲۔ سارق نے مال کو محفوظ مقام سے باہر پھینکا اور اس کی نظروں سے غائب ہو گیا[4]۔ البتہ اگر غائب نہ ہوا ہو تو حد سرقہ اس پر نافذ ہوگی بشرطیکہ اس نے باہر نکل کر اپنے قبضے میں لے لیا ہو۔

۳۔ کسی جانور کو ذبح کر کے محفوظ مقام سے باہر لائے[5]۔

۴۔ کپڑا وغیرہ پھاڑ دیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت سرقہ سے کم ہو گئی، پھر اس کو محفوظ جگہ سے باہر لایا۔

دفعہ ۱۹ قصاص اور حد سرقہ کا اجتماع۔

(۱)۔ اگر قصاص اور حد سرقہ جمع ہو جائیں تو قصاص کو مقدم کیا جائے گا اور سارق پر مال مسروقہ کا تاوان عائد ہوگا۔ البتہ اگر حد سرقہ میں دایاں ہاتھ کاٹا جانا مطلوب ہو اور قصاص میں بایاں پاؤں، تو ایسی صورت میں بایاں پاؤں کاٹنے کے بعد زخم مندمل ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ پھر دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا[6]۔

---

[1] بدائع الصنائع ص ۹۰ ج ۷، [2] الجوہرۃ النیرہ [3] المبسوط ص ۱۳۶ ج ۹

[4] درمختار ص ۲۱۰ ج ۳ وغایۃ الاوطار ومنحۃ الخالق علی بحر الرائق ص ۶۰ ج ۵

[5] درمختار

[6] عالمگیری ص ۹۹، ج ۲ مطبوعہ نولکشور۔

تشریح :- قصاص کا تعلق حق العبد سے ہے اور حد سرقہ کا تعلق حق اللہ سے۔ حق العبد کو ادا کرنے کی تاکید بہ نسبت حق اللہ کے زیادہ ہے اس لیے اگر کسی عضو کے بارے میں قصاص اور حد سرقہ جمع ہو جائیں تو قصاص پر عمل کیا جائے گا اور مال مسروقہ کا تاوان سارق پر عائد ہوگا۔ اور اگر قصاص میں عضو کاٹنا مطلوب نہ ہو بلکہ قتل نفس مطلوب ہو تو ایسی صورت میں اعضا کا تاوان ساقط ہوگا[۱] البتہ اگر مستغیث قصاص کو معاف کر دے یا صلح کرے تو حد سرقہ نافذ کی جائے گی[۱]

دفعہ ۱۹ (ب) - حدود کا اجتماع۔

حدود کے جرائم میں مجرم نے اگر ایک قسم کا جرم متعدد بار کیا ہو تو سزا میں تداخل ہوگا بشرطیکہ پہلے اس جرم میں اس پر سزا نافذ نہ ہو چکی ہو۔ اگر پہلے سزا نافذ ہو چکی ہو تو بعد کے جرم میں دوبارہ سزا دی جائے گی۔ اور اگر حدود کے جرائم ایک قسم کے نہیں ہیں تو ہر جرم کی سزا الگ الگ ہوگی مگر پہلی سزا کے نفاذ کے بعد دوسری سزا کے نفاذ تک مجرم کے تندرست ہونے کا انتظار کیا جائے گا اور اس عرصہ میں اس کو قید رکھا جائے گا[۲]

تشریح :- ۱- مجرم نے مثلاً سرقہ ہی سرقہ، یا شراب ہی شراب، یا زنا ہی زنا کا ارتکاب کیا ہو تو اگر پہلے سزا نافذ نہیں ہوئی تھی تو آخری مرتبہ کی سزا پہلے جرائم کے لیے بھی متصور ہوگی۔

۲- اگر مجرم شادی شدہ ہو اور اس نے زنا کے علاوہ سرقہ وغیرہ حدود کے جرائم بھی کیے ہوں تو ایسی صورت میں اس کو محض رجم کی سزا دی جائے گی اور باقی سزائیں اس سے ساقط ہوں گی۔ اگر مجرم غیر شادی شدہ ہو تو اس سے باقی سزائیں ساقط نہ ہوں گی۔

۳- متعدد جرائم کے ارتکاب کی صورت میں ہر جرم کی الگ الگ سزا دینے کی ترتیب یہ ہوگی۔ پہلے قذف کے کوڑے۔ پھر غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں زنا کے کوڑے۔ یا قطع الطریق (رہزنی) کرنے والے پر قطع۔ پھر شراب کے کوڑے۔

اگر مجرم قاتل بھی ہو تو پہلے قذف کے کوڑے۔ پھر قطع الطریق میں اس کے ترکہ سے ضمان۔

[۱] عالمگیری ص ۹۹، ج ۲ مطبوعہ نول کشور۔

[۲] تمام تفصیلات دیکھیے درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۱۷۰ مطبوعہ بولاق مصر۔

اور پھر قتل۔ البتہ اس صورت میں سرقہ اور شراب کے جرائم بھی اگر اس نے کیے ہوں تو ان کی سزائیں ساقط ہوں گی۔

---

# حصہ دوم

## قطع الطریق

### فصل اوّل، قطع الطریق کی تعریف اور اس کی شرائط کے بیان میں

دفعہ ۲۰۔ تعریف | کوئی فرد یا جماعت جس کو اتنی قوت حاصل ہو کر راستہ روک سکے، راستہ روک کر مال لینے کے لیے قوت استعمال کرے یا استعمال کرنے کی دھمکی دے، تو کہا جائے گا کہ اُس نے قطع الطریق کا ارتکاب کیا ہے۔ ارتکاب جرم کے لیے حصولِ مال لازم نہیں [1]

دفعہ ۲۱۔ شرائط حد قطع الطریق | قطع الطریق کی سزا نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط فوت ہو تو یہ سزا نافذ نہ ہو گی۔

۱۔ راہزن مسلح ہوں بایں طور کہ راہزنی کرتے وقت مسافران کے مقابلہ کی سکت نہ رکھتا ہو [2]

۲۔ اس جرم کا ارتکاب ایسے مقام پر ایسے وقت میں کیا گیا ہو کہ مسافر کی فریاد رسی عموماً ان حالات میں نہ کی جاسکتی ہو [3]

۳۔ وہ تمام شرائط پائی جائیں جن کا حد سرقہ میں پایا جانا ضروری ہے، یعنی نصاب پورا ہو اور راہزن اصحاب اموال میں سے ایک کے بھی قریبی رشتہ دار نہ ہوں اور سب مجرمین عاقل، بالغ اور ناطق ہوں [4] اور اگر جرم ایک سے زائد افراد نے کیا ہو تو نصاب ہر ایک کے حصہ میں پورا آتا ہو وغیرہ۔

---

[1] ملخصاً ہدایۃ ص ۵۵۵ ج ۲ و عالمگیری باب قطع الطریق ص ۹۹، والتشریع الجنائی الاسلامی ص ۶۳۹ ج ۲۔

[2] عالمگیری ص ۹۹، ج ۲ [3] ایضاً

[4] رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۳ و بدائع ص ۹۲ ج ۷۔

۴۔ راہزن توبہ کرنے اور مال کو اصحاب اموال کی طرف واپس کرنے سے قبل گرفتار ہوں[۱]۔

۵۔ قطع الطریق کے مجرم اور مستغیث کا خون اور مال ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو[۲] اور مال پر مستغیث کا قبضہ صحیح ہو یعنی مال پر اس کا قبضہ، قبضۂ ملک یا قبضۂ امانت یا قبضۂ ضمان، ان تینوں میں سے کوئی ایک ضرور ہو[۳]۔

۶۔ راہزن اگر آپس میں قطع الطریق کا ارتکاب کریں تو ان پر حد قطع الطریق نافذ نہ ہوگی[۴]۔

تشریح ۱ : اسلحہ سے مراد مہلک ہتھیار ہے۔ بندوق، پستول، خنجر، بڑا پتھر اور بڑی لاٹھی جو مہلک ہو، اسلحہ میں شامل ہیں[۵]۔

تشریح ۲ : شہر یا قریبِ شہر میں جرم قطع الطریق میں فقہا کا اختلاف ہے۔ فقہاء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر قطع الطریق کا واقعہ شہر سے دور مثلاً کہیں جنگل اور پہاڑوں کے اندر رونما ہوا ہو تو اس پر حد قطع الطریق کو نافذ کیا جائے گا، کیونکہ ایسے مقام پر مستغیث کو چھڑانے والا عموماً کوئی شخص موجود نہیں ہوتا۔ البتہ شہر یا قریبِ شہر میں اگر یہ واقعہ پیش آجائے تو اس کو جرم قطع الطریق میں شمار کرنے میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جرم قطع الطریق میں شمار ہوگا اور مجرم پر حد قطع الطریق نافذ کی جائے گی۔ خواہ یہ واقعہ دن کے وقت رونما ہوا ہو یا رات کے وقت۔

ائمۂ احناف کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحہ کے نزدیک شہر یا قریب شہر میں یہ جرم قطع الطریق میں شمار نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ایسے مقامات میں اس کی چیخ و پکار سن کر لوگ اس کی امداد کو پہنچ جاتے ہیں جس سے اس کی مدافعت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حد قطع الطریق کی شرط یہ ہے کہ مستغیث مدافعت نہ کر سکتا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان کو تعزیری سزا دی جائے گی اور موجبِ قصاص کی صورت میں ان سے قصاص لیا جائے گا۔ اور جہاں قصاص ممکن نہ ہو وہاں ان سے دیت کی صورت میں دیت اور حکومتِ عدل کی صورت میں حکومتِ عدل

---

۱ عالمگیری ص ۸۰۰ ج ۲ مطبوعہ نولکشور نیز حاشیہ ہدایہ ص ۵۵۵ ج ۲ مطبوعہ کلام کمپنی کراچی۔

۲ ردالمحتار ص ۲۱۹ ج ۳ ۳ بدائع الصنائع ص ۹۱ ج ۷۔

۴ درمختار ص ۲۲۱ ج ۳

۵ عالمگیری ص ۷۹۹ ج ۲ مطبوعہ نولکشور۔

وصول کی جائے گی۔

امام ابو یوسف رحؒ کے نزدیک شہر کے اندر اگر دن کے وقت اسلحہ کے ساتھ اور رات کے وقت اسلحہ کے ساتھ یا بغیر اسلحہ کے جرم قطع الطریق کا واقعہ ہوجائے تو مجرم پر حد قطع الطریق نافذ کی جائے گی اور اسی قول پر فتویٰ ہے[۱]۔

تشریح ۳۔ قبل از گرفتاری توبہ کرنے سے حد ساقط ہوگی۔ راہزن اگر قبل از گرفتاری اپنے جرم سے توبہ کرلیں تو حد اُن پر نافذ نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت "الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم" سے واضح ہے۔

حضرت علی اسدیؓ جو مدینہ کے قریب ایک جماعت لے کر آنے جانے والے مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے تھے، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اُن کے کان میں پڑ گئی یٰعبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ یعنی "اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ"۔ تو وہ قاری کے پاس پہنچے اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی۔ دوسری مرتبہ سنتے ہی اپنی تلوار میان میں ڈال کر اپنے جرم سے توبہ کی اور مدینہ طیبہ پہنچے۔ اُس وقت مدینہ طیبہ پر مروان بن حکم حکمران تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر امیر کے پاس لے گئے اور قرآن حکیم کی آیت "الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا" پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو سزا نہیں دے سکتے۔ چنانچہ اُن کو سزا نہیں دی گئی۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گئے اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو توبہ کی توفیق دی تو توبہ کر کے واپس آئے تو حضرت علیؓ نے ان پر حد جاری نہیں فرمائی[۲]۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ گرفتاری سے قبل توبہ حد کو ساقط کرتی ہے۔ اس میں ایک سیاسی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ ایک طاقتور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا اس لیے ان کے واسطے ترغیب

---

[۱] رد المختار ص ۲۱۹ ج ۳ و در مختار ص ۲۲۱ ج ۳ و تفسیر مظہری ص ۸۸ ج ۳۔

[۲] ماخوذ از معارف القرآن للشیخ المفتی محمد شفیعؒ۔

کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔

نقشہ یہ ہے ۔ عصمت مؤبدہ - خون اور مال کی حفاظت سے مراد ایسی حفاظت ہے جو اسلام قبول کرنے یا عہد و پیمان کے ذریعے حاصل ہو۔ اس طرح کی حفاظت کو اصطلاح میں عصمتِ مؤبدہ (ہمیشہ کی حفاظت کہا جاتا ہے ۔ یہ عصمت دو قسم کے افراد کو حاصل ہوتی ہے۔ ایک مسلمان اور دوسرا ذمی[1]، یعنی وہ غیر مسلم شخص جو جزیہ ادا کرکے دار الاسلام میں سکونت پذیر ہو۔ ایسے افراد کا مال اور خون ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان پر حد قطع الطریق نافذ ہوگی۔

مستامن کا حکم - اگر کوئی غیر مسلم شخص کسی دوسرے ملک سے دار الاسلام میں کچھ عرصہ کے لیے امن لے کر رہتا ہو اس کو مستامن کہا جاتا ہے۔ اگر مستامن جرم قطع الطریق کا ارتکاب کرے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ مگر حد کی سزا اس پر نافذ نہ ہوگی، اس لیے کہ اس کو عصمت مؤبدہ حاصل نہیں ہے - البتہ اگر مستامن رہزنوں کے قافلہ کے ساتھ جرم قطع الطریق کا ارتکاب کرے تو اس پر بھی حد جاری کی جائے گی۔[2]

---

[1] رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۳ مطبوعہ مصر [2] ایضاً

# گھوڑ دوڑ

## اسلامی شریعت کی نظر میں

ملک غلام علی صاحب

پاکستان کی قومی اسمبلی نے مئی ۱۹۷۷ء میں قانونِ انسدادِ قمار بازی (PREVENTION OF GAMBLING ACT) کے نام سے ایک قانون پاس کیا تھا جس کے تحت گھوڑ دوڑ اور ریس کلبوں پر بھی پابندی عاید کر دی گئی تھی۔ جو لوگ اس کاروبار سے خصوصی شغف و انہماک رکھتے تھے ان میں سے بعض نے اس کے حق میں کتبِ حدیث و فقہ سے دلائل پیش کرنا شروع کر دیے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ گھوڑے پالنا، انہیں مقابلے میں دوڑانا، اُن پر بازی لگانا جائز بلکہ کارِ ثواب ہے۔ جس سیاق سباق اور پس منظر میں یہ استدلال فراہم ہو رہا ہے اُس کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عوام الناس اور حکامِ وقت اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ گھوڑ دوڑ پر موجودہ قانونی بندش اسلام میں جائز نہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کے جو دلائل و شواہد ہمارے سامنے آئے ہیں اُن پر مختصر بحث کر کے ان کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں گھوڑے پالنے اور انہیں سدھانے کی جو اہمیت و فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اور اس پر جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے اس کی اولین اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت اور عہدِ نبوی میں گھوڑا ایک اہم ترین آلۂ جہاد تھا اور ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑے کی اہمیت و ضرورت شمشیر و سناں اور تیر و تفنگ سے کسی طرح کم نہ تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (الانفال - ۶۰)

(اور تم جہاں تک تمہارے لیے ممکن ہو، قوت اور رتھانوں پہ بندھے ہوئے تیار گھوڑے مخالفین کے لیے مہیا رکھو تاکہ ان سے تمہاری دھاک اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے دوسرے ساتھیوں پہ بیٹھی رہے۔)

یہی وجہ تھی کہ جہاد و قتال کے لیے فراہم کردہ گھوڑوں پر زکوٰۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائد نہیں فرمائی۔ حالانکہ دوسرے مواشی پر زکوٰۃ ہے اور جس مجاہد کے پاس گھوڑا ہوتا تھا اُسے پیادہ مجاہد سے مالِ غنیمت کا دگنا حصہ دیا جاتا تھا۔

ہماری نظر سے چند احادیث کے اقتباسات گزرے ہیں جو "اسلام اور گھوڑ دوڑ" کے زیرِ عنوان صحیح بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف سے اخذ کیے گئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ نادانستہ یا دانستہ طور پر نقل کردہ احادیث میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ حوالہ نہیں دیا گیا کہ یہ کتاب الجہاد سے منقول ہیں۔ حالانکہ بخاری اور مشکوٰۃ دونوں کے مصنف ان احادیث کو ابواب الجہاد کے تحت لاتے ہیں، جو اس امر کا واضح قرینہ اور ثبوت ہے کہ ان احادیث میں جن گھوڑوں کے پالنے اور دوڑ میں جن کے شریک کرنے کا ذکر ہے ان کا بنیادی مقصد جہاد ہی تھا۔ چنانچہ "اسلام اور گھوڑ دوڑ" کے زیرِ عنوان صحیح بخاری، جلد دوم پارہ گیارہ صفحہ ۵۷ - ۵۸ سے جو احادیث نقل کی گئی ہیں ان میں آخری حدیث نمبر ۸۴ کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدر الدینؒ عینی حنفی اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں امام قرطبیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لاخلاف فی جواز المسابقۃ علی الخیل واستعمال الاسلحۃ لما فی ذلک من التدریب علی الحرب۔

(اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ گھوڑ دوڑ اور ہتھیاروں میں مقابلہ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے جنگی مشق و مہارت حاصل ہوتی ہے)۔

امام قرطبیؒ کا یہی قول دوسرے مشہور شارح بخاری امام ابن حجرؒ نے اپنی شرح فتح الباری میں بھی نقل کیا ہے۔ اس سے مزید واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن گھوڑوں کی دوڑ کرائی تھی اور جس میں حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرام شریک تھے وہ عسکری تربیت کی خاطر تھی، ورنہ انہی احادیث سے پہلے بخاری کی اسی کتاب میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ بعض گھوڑے منحوس بھی ہوتے ہیں اور بعض اپنے پالنے والوں کے لیے افادیت کے بجائے مضرت کا باعث بنتے ہیں۔

ایک حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

واما الرجل الذی ھی علیہ وزر فھو رجل ربطھا فخراً ورياءً ونواء لاھل الاسلام فھی وزر علی ذلك۔

(جس شخص کے لیے گھوڑا رکھنا بوجھ اور گناہ کا باعث ہے، وہ ایسا شخص ہے جو فخر یا نمائش یا اہل اسلام کی مخالفت کے لیے گھوڑا پالے)۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

والظاھر ان الواؤ فی قولہ ورياء ونواء بمعنی او لان ھذہ الاشیاء تفترق فی الاشخاص وکل واحد منھا مذموم علی حدتہ۔

(یہ بات ظاہر ہے کہ ارشاد نبوی میں ریا اور نوا کے ساتھ جو "واؤ" ہے وہ "یا" کے معنی میں ہے، "اور" کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ چیزیں یعنی فخر، ریا اور مسلمانوں سے عداوت بسا اوقات ایک ہی شخص میں جمع ہونے کے بجائے الگ الگ مختلف اشخاص میں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک صفت علیحدہ علیحدہ مذموم ہے)۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فخر یا نمود و نمائش یا اہلِ دین کی عداوت، ان میں سے ہر خصلت اپنی اپنی جگہ پر قابلِ مذمت ہے اور ان میں سے کوئی ایک علت بھی اگر گھوڑا پالنے اور گھوڑ دوڑ کرانے کی پشت پر کار فرما ہو تو یہ مشغلہ جائز یا کارِ ثواب تو کیا ہوگا الٹا موجب عتاب و عذاب ہوگا۔

اس کے بعد اب ہم ان روایات کو لیتے ہیں جو گھوڑ دوڑ میں بازی لگانے اور مال لینے کے جواز میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ روایات جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مشکوٰۃ کتاب الجہاد سے منقول ہیں۔ پھر کتاب الجہاد کا وہ خاص باب جس میں ان کا ذکر ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے اس باب کا عنوان " باب اعداد آلۃ الجہاد" مقرر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یوں ہوگا؛ جہاد کے ساز و سامان کی تیاری۔ یہ ذیلی عنوان اس امر کی مزید تائید و توضیح کر رہا ہے کہ اس باب میں گھوڑ دوڑ یا تیر اندازی وغیرہ سے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان کا تعلق فنونِ حرب اور عسکری تربیت و تمرین سے ہے اور اس میں اگر بازی لگانے اور انعامات وغیرہ کا ذکر ہے تو وہ اسی جہاد کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ ان روایات میں سے ایک وہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ

سے مروی ہے اور جیسے مشکوٰۃ شریف مترجم جلد دوم ص ۸۹ مطبوعہ نور محمد حدیث نمبر ۱، ۳۲۶ کے تحت ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں میں اپنا تیسرا گھوڑا شامل کرے (اس شرط پر کہ اگر میرا گھوڑا آگے نکل جائے تو میں دونوں سے بازی لے لوں گا اور اگر نہ نکلا تو میں کچھ نہ دوں گا)، اگر اس شرط کا اس کو یقین ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو اس شرط میں بھلائی نہیں ہے اور اگر اس کا یقین نہ ہو کہ وہ ضرور آگے نکلے گا تو کوئی مضائقہ نہیں، شرح السنہ۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا تیسرا گھوڑا شامل کرے اور اس کو اس کا یقین نہ ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو یہ شرط جوا نہیں ہے اور اگر اس کا یقین ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو یہ شرط جوا ہے)۔

اس ترجمے کے متعلق پہلی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں قوسین کے اندر جو خاصا لمبا فقرہ موجود ہے اور جسے ہم نے خط کشیدہ کر دیا ہے، اس کا اضافہ مترجم نے اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ یا متن کے کسی حصے کا ترجمہ نہیں ہے۔ اسی طرح آگے ترجمے میں جا بجا جو "شرط" کا لفظ آیا ہے یہ بھی مترجم نے بڑھایا ہے، حدیث کے کسی لفظ کا یہ ترجمہ نہیں ہے۔ مترجم نے یہ اضافے بطور تشریح کیے ہیں۔ لیکن جس قاری کے سامنے اصل حدیث موجود نہ ہو یا جو عربی نہ جانتا ہو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ بھی ارشادِ نبوی اور حصۂ حدیث ہیں۔

اصل حدیث درج ذیل ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ادخل فرسًا بین فرسین فان کان یومن ان یسبق فلا خیر فیہ وان کان لا یومن ان یسبق فلا باس بہ۔ رواہ فی شرح السنہ وفی روایۃ ابی داؤد قال: من ادخل فرسًا بین فرسین یعنی وھو لا یأمن ان یسبق فلیس بقمار ومن ادخل فرسًا بین فرسین وقد امن ان یسبق فھو قمار۔

مشکوٰۃ مترجم کے مذکورہ بالا صفحے پر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی دوسری ایک حدیث کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ تیر اندازی، اونٹ اور گھوڑے دوڑانے میں مال لینا جائز ہے حالانکہ حدیث میں سبق کا لفظ ہے

جس کی رُو سے مال لینا لازم نہیں آتا، اس لفظ کا مطلب فقط مقابلہ اور مسابقت بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر اس میں مالی شرط یا منفعت کی گنجائش نکالی جائے تب بھی یہاں جس مقابلے کا ذکر ہے وہ مشق جہاد ہی سے متعلق ہے۔ چنانچہ امام علیؒ القاری حنفی نے اپنی مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں فرمایا ہے کہ اس طرح کے مقابلے میں انعام حاصل کرنے کو اِس حالت میں بعض اہل علم نے جائز قرار دیا ہے کہ یہ ترغیب جہاد اور قتالِ عدو کا ذریعہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔

وما يدخل فى معناهما مما ليس من عدة الحرب ولا من باب القوة على الجهاد فاخذ المال عليه قمار محظور۔

(اور تیراندازی اور اسپ رانی کے وہ مقابلے جو جنگی تیاری اور قوت جہاد کی فراہمی میں شامل نہ ہوں، ان پر مال حاصل کرنا جُوا ہے جو ممنوع ہے)۔

(المرقاۃ جزء ۷ ص ۳۲۰ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

اب تک کی مختصر بحث اس امر کو واضح اور ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ میں گھوڑے پالنے اور گھوڑ دوڑ وغیرہ کے بارے میں جو کچھ وارد ہے وہ ان گھوڑوں سے تعلق رکھتا ہے جو آلۂ جہاد و قتال کے طور پر مستعمل ہوں۔ اور ان احکام وارشادات کا انطباق انہی حالات تک محدود ہے جب تک کہ گھوڑے یا تیر آلات جہاد کے طور پر کام میں لائے جاتے ہوں، ورنہ محض دکھاوے یا لہو ولعب کی خاطر یا پھر آلۂ قمار کے طور پر ان کا استعمال نہ صرف غیر مباح بلکہ مذموم وممنوع ہے۔ ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ صدیوں تک اگرچہ گھوڑا ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا بہترین رفیق کار رہا ہے لیکن اب گھوڑے کی جگہ آرمرڈ کار اور ٹینک نے لے لی ہے۔ اس لیے خالص حرب وضرب اور جنگی مقاصد کے لیے اب گھوڑے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ حکومت یا فوج کے خاص اصحابِ منصب یا اہل کاروں کے لیے اگر زیب وزینت یا آرائشی مقاصد کے تحت گھوڑوں کی ضرورت ہو تو اس کے لیے ریس کلبوں یا جا کی کلبوں کی قسم کے اداروں کی ضرورت نہیں ہے جس میں ہر کس وناکس اور ہر مرد وزن ٹکٹ لے کر یا بغیر ٹکٹ کے شریک کار یا تماشائی کی حیثیت سے شامل ہو جاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ جسے اس مکروہ اور ناپاک مشغلے کی چاٹ لگ جاتی ہے وہ عمر بھر اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ چنانچہ بعض لوگ جو ریس کے رسیا بن چکے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ ریس پر پابندی لگ گئی ہے تو انہوں نے "تفریح صالح" کے نام

اس کاروبار کو دوبارہ جاری رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا ہے کہ جو لٹریچر انھوں نے مذہبی دلائل پر مشتمل اپنی تائید میں مہیا کیا ہے خود اس میں بھی اس "تفریح صالح" کے خلاف اقوال موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کتاب "تہذیب الاسلام" کے چند صفحات ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ یہ شیعہ حضرات کا مسلک واضح کرتی ہے۔ اس کے چودھویں باب، بارھویں فصل صفحہ ۱۵۵ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "سنت ہے کہ تیر اندازی اور اسپ دوانی سے غرض محض لہو ولعب نہ ہو بلکہ خاص ورزش مراد ہو کہ خدا کی راہ میں دین و ایمان کو قوت دینے کے لیے اور شیعان اہل بیت کو مخالفوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے جہاد کریں کہ جس سے بہت بڑا ثواب حاصل ہو۔"

صرف اس ایک اقتباس سے وہ ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے جسے "تفریح صالح" کے حامیوں نے بڑی محنت سے گرد و پیش کے استدلال کے بل پر تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ جو نیا نظام وہ تجویز کر رہے ہیں وہ جوئے بازی سے پاک ہوگا، وہ نری تفریح صالح ہوگی۔ مگر "تہذیب الاسلام" کے بیان کی رُو سے سنت یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ سے غرض لہو ولعب نہ ہو۔ اگر تفریح سے مراد لہو ولعب کے بجائے ورزش ہو تو جو لوگ محض بیٹھے بٹھائے گھوڑوں کی رفتار گھڑیوں کی مدد سے ناپتے ہیں یا جو محض پنٹر یا بک میکر یا تماشائی ہوتے ہیں وہ کونسی ورزش اور کسرت کرتے ہیں اور وہ سارے لوگ جو اس "تفریح صالح" میں کسی طرح حصہ دار بنتے ہیں یا بن سکتے ہیں وہ "خدا کی راہ میں دین و ایمان کو قوت دینے کے لیے کونسا جہاد کرتے ہیں؟ باقی رہا جہاد کا دوسرا حصہ جو "شیعان اہل بیت" کو "مخالفوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے" ہوگا، اگر اس کے لیے بھی گھوڑے سے دوڑانا ضروری ہے تو مناسب یہ ہوگا کہ "شیعان اہل بیت" اور ان کے "مخالفین" ایک دوسرے کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے تیر اندازی اور اسپ دوانی" کے مراکز الگ الگ قائم کریں اور پھر جب "مجاہدین" اچھی طرح تربیت پالیں تو ہر گروہ دوسرے کے شر کا قلع قمع کرنے کے لیے میدان کارزار میں اتر کر "مصروف جہاد" ہو جائے۔ ابھی ابھی کراچی میں جو فساد اور قتال بین المسلمین ہوا ہے کیا یہ ایسے ہی تربیت یافتہ افراد کا کارنامہ تو نہیں تھا؟

بہرکیف ہماری یہ سوچی سمجھی اور پختہ رائے ہے کہ گھوڑ دوڑ اور ریس کلبوں کے ذریعے سے جس جوئے بازی اور بعض دیگر مکروہ مشاغل کا ارتکاب ہمارے ہاں انگریزی دَور سے اب تک جاری رہا

ہے ان کے سدباب کے لیے شرعاً یہ نہایت ضروری اور ناگزیر ہے کہ "تفریح صالح" یا کسی دوسرے خوشنما اور پرفریب نام کے تحت کسی قسم کی گھوڑ دوڑ کی اجازت قطعاً نہ دی جائے خواہ اس قسم کی تنظیمات قائم کرنے والے لاکھ مرتبہ یہ باور کرانے کی کوشش کیوں نہ کریں کہ وہ کسی قسم کی کوئی شرط یا بازی وغیرہ سے اس کام کو آلودہ نہیں کریں گے۔ جوا ریس کا ایسا جزو لاینفک بن کر رہ گیا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہمارے ہاں مترادف اور ہم معنی ہوگئے ہیں۔ ایک کا نام لیتے ہی ذہن معاً دوسرے کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ ریسوں میں استعمال ہونے کی بنا پر گھوڑوں کی قیمت ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ دُور دراز کے مقامات سے لوگ سفر کر کے اور ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر گھوڑ دوڑوں میں حصہ لینے کے لیے آتے ہیں اور ہزار در ہزار افراد بلکہ بعض خاندان ایسے ہیں جو اپنا مال اور مال سے بڑھ کر قیمتی متاع یعنی اپنا وقت اس میں ضائع کرتے ہیں۔ حالانکہ جو وقت گذر جاتا ہے کبھی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ جن لوگوں کو ایک مرتبہ اس کا چسکا لگ جاتا ہے وہ مرتے دم تک اسے ترک نہیں کر سکتے۔ اس کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ ریسوں پہ پابندی سے پہلے بھی جو لوگ گھوڑ دوڑ نہیں دیکھتے تھے اور اس میں شرکت نہیں کرتے تھے، انہیں اب بھی کوئی پریشانی یا بے چینی نہیں لیکن جو لوگ اس کے عادی تھے وہی بے تاب اور مبتلائے اضطراب ہیں اور بار بار مطالبہ کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی شکل میں "تفریح صالح" کی اجازت ہونی چاہیے۔ آخر اس تفریح و تسکین کی ضرورت ان لوگوں کو کیوں محسوس نہیں ہوتی جو پہلے یہ ذوق و شوق نہیں رکھتے تھے۔

ہمیں اس امر کا پورا یقین حاصل ہے کہ گھوڑ دوڑ میں اب تک جو لوگ دلچسپی لیتے رہے ہیں اگر انہیں کسی شکل میں بھی دوبارہ اسے جاری کرنے کی قانونی اجازت دی گئی تو اس کے ساتھ قمار اور دوسرے سارے فواحش و منکرات آپ سے آپ عود کر آئیں گے جو اب تک اس کا لازمی حصہ رہے ہیں۔ اس خدشے کا پریس میں بھی اظہار ہو چکا ہے کہ اگر شرط لگانے پر پابندی لگائی گئی تب بھی در پردہ یہ لعنت موجود رہے گی۔ (ملاحظہ ہو نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۱۹۷۸ء صفحہ اول و ۲۶ فروری، ۲۰ فروری)۔ اسلامی تعلیمات سے جو روشنی ہمیں ملتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جوئے اور گھوڑ دوڑ کا چونکہ ایک مدت تک چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور دونوں چیزیں لازم و ملزوم شمار ہوتی رہی ہیں اس لیے ایک کے ساتھ دوسری چیز پر بھی جب تک قدغن نہ ہوگی برائی کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ اسلام کے احکام و ہدایات اور فلسفہ قانون سازی میں جن اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان میں ایک اہم اصول "سدباب ذریعہ" ہے۔ یعنی جو امور ممنوعات و محرمات کا ذریعہ و وسیلہ بن سکتے ہیں اور بنتے رہے ہیں ان پر بھی دائماً یا کم از کم

اس وقت تک پابندی عائد کر دی جاتی ہے جب تک کہ ان میں برائی کا ذریعہ بننے کی صلاحیت رہتی ہے اور وہ لوگوں کو دوسری ممنوعات کی طرف راغب اور متوجہ کر سکتے ہیں۔ اس کی نہایت واضح مثال یہ ہے کہ جب شراب قطعی طور پر حرام کر دی گئی تو اس وقت ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع کر دیا گیا جن میں شراب بنائی یا رکھی یا پلائی جاتی تھی[1] اور اس حکم کا مخاطب وہ معاشرہ تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس جلوہ افروز تھے اور آپ کے ارشادات کی تعمیل اس طرح ہوتی تھی کہ حرمتِ شراب کا حکم سن کر صحابہ کرام نے مٹکے توڑ دیے تھے اور شراب گلیوں میں بہنے لگ گئی تھی۔ جس کے ہاتھ میں پیالہ تھا اس نے وہیں زمین پر اُسے دے مارا۔ ایسی بے چون و چرا اطاعت و اتباع کے بعد بھی اگر ظرف اور مظروف دونوں کا استعمال ممنوع سمجھا گیا تو آج کس طرح یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ گھوڑ دوڑ یا "تفریح صالح" کی کوئی صورت اپنی دیرینہ غیر صالح آلائشوں سے دفعتہً اور یک دم پاک ہو جائے گی؟

اب ہم اپنی اس بحث کو ایک نہایت مختصر گذارش یا تجویز پر ختم کرتے ہیں۔ وہ تجویز یہ ہے کہ اگر کسی قومی یا عسکری ضرورت کی بنا پر گھوڑوں کی اجتماعی پرورش، نگہداشت اور اُن کی مسابقت کے لیے کوئی کلب یا تنظیم بنانے کی اجازت دی جائے تو اس تنظیم یا ادارے اور اس کے زیر اہتمام مشاغل میں کسی ایسے شخص کا بلا واسطہ یا بالواسطہ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے جو کسی حیثیت سے بھی زمانہ ماضی میں ریس کلبوں سے وابستہ رہا ہو یا اُن میں آمد و رفت یا ان سے مستقل رابطہ رکھتا ہو۔ اگر ایسا اہتمام نہ کیا گیا تو گھوڑ دوڑ اور جوئے کا باہمی رشتہ منقطع نہ ہو سکے گا۔

---

[1] اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو عبد القیس کا قبیلہ جب اسلام کے اہم ترین احکام معلوم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے کلمہ شہادت اور ارکانِ اسلام کی تعلیم دینے کے ساتھ ان چار برتنوں کے استعمال کی نہی فرما دی جو شراب کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہ حدیث بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے اور مشکوٰۃ کے ابتداء ہی میں کتاب الایمان کے اندر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ شراب کا سرکہ بنانے کی بھی ممانعت کر دی گئی حالانکہ سرکہ حلال ہے، نشہ آور نہیں۔

# جامعۂ خواتین کیوں اور کس طرح؟

## (۳)

جناب نعیم صدیقی صاحب

*ذہن میں مباحث اور اُن کی ترتیب کا پھیلاؤ تو جو ہے سو ہے، مگر ہمارے خوشنویس صاحب نے متنبہ کر دیا ہے کہ رسالے میں صرف ۵ صفحات باقی ہیں۔ مسئلہ ایسا ہے کہ میں اسے زیادہ قسطوں میں پھیلانا نہیں چاہتا لہٰذا اپنی بات کو سکیڑ سکاڑ کر تیسری قسط ہی میں ختم کرتا ہوں۔ (ن-ص)*

جامعۂ خواتین[1] کا بڑا مسئلہ نصابی مضامین کی ترتیب اور اس کے بعد تدوینِ نو کا ہے۔ نئی نصابی کتب کی تیاری کے لیے دو چار سال کا زمانہ چاہیے۔ پہلے مفصل نصابی خاکہ بنے، پھر اس کے مطابق کتابیں لکھی جائیں، ان کتابوں میں سے مناسب کو منظوری حاصل ہو۔ اس لیے ضروری کام کا لائحۂ عمل الگ سے تیار ہونا چاہیے۔

---

[1] پیچھے کہی ہوئی بات کو میں پھر دہراتا ہوں کہ اگر اسلامی معاشرت کے اصولی تقاضوں کے تحت جامعۂ خواتین کا قیام مطلوب ہے اور ہم خدا کی رضا حاصل کر کے مغرب کے فاسد طرزِ معاشرت کے نتائجِ بد سے دنیا اور آخرت میں بچنا چاہتے ہیں تو جامعۂ خواتین کے قیام کے متوازی مغربی طرزِ معاشرت کے مخلوط مظاہر سے بچنا اشد ضروری ہے۔ حال ہی میں اخباری اعلان ہوا ہے کہ پاکستان کی زنانہ ہاکی ٹیم بھارت میں میچ کھیلنے جائے گی۔ اندازہ کیجیے کتنے بُرے اثرات ہوں گے اس کے۔ طالبات کے مختلف درس گاہوں میں جو فنکشن ان دنوں ہوتے ہیں اُن کی رونق افزائی مردوں ہی کے ذریعے کی گئی۔ ٹیلی وژن پر دوپٹے والی پابندی کے باوجود نہ صرف اس پابندی کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں، بلکہ اس حد سے بہت آگے بڑھ کر مغربی آرٹ اور ثقافت کے تقاضے پورے کیے جا رہے ہیں۔ دیواری اشتہارات (اسلام آباد میں لیاقت باغ کے پاس ریلوے پل کے سامنے دیکھ لیجیے) اور اخباری اشتہارات میں عورت کا جس طرح استعمال کیا جا رہا ہے وہ ایک ایسے تضاد کا آئینہ دار ہے جو اگر بڑھتا گیا تو اسلام کے حق میں ہونے والے اقدامات کی برکات پر بُرا اثر ڈالے گا۔

میرا خیال یہ ہے کہ فی الوقت جن مضامین کو بھی جامعۂ خواتین میں بآسانی شروع کیا جا سکتا ہو، اُن سے کام کا آغاز کر دیا جائے۔[1]

**مضامین اور فیکلٹیز** | مضامین کے حسب ذیل گروپ تو سامنے آتے ہی ہیں۔

۱۔ فلسفہ گروپ۔

الٰہیات، نفسیات، فلسفہ اخلاق۔ فلسفہ تعلیم (+ تعلیمی نفسیات)۔ فلسفہ تمدن و سیاست (+ مجرمی نفسیات) فلسفہ جرم و سزا، وغیرہ۔

۲۔ سائنس گروپ۔

فزکس۔ کیمسٹری۔ فزیالوجی۔ بیالوجی۔ جیالوجی۔ پیٹرو کیمسٹری۔ شماریات۔ ریاضی۔ جوہری توانائی جغرافیہ۔ طبعی و اقتصادی۔ وغیرہ۔

۳۔ انسانیات:۔

تاریخ۔ تاریخ اسلام۔ تاریخ عالم اسلام (موجودہ — مغربی امپیریلزم کے ظہور سے اب تک)۔ تاریخ تحریکات اسلامی۔ برصغیر کی تاریخ۔ تاریخ پاکستان۔

سوشیالوجی۔ اقتصادیات۔ پولٹیکل سائنس۔ قانون۔

۴۔ لسانیات:۔ اُردو، پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی۔

انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، چینی۔ وغیرہ

ہندی سنسکرت، بنگلہ، تامل۔ سنہالی وغیرہ

عربی، فارسی، ترکی، سواحلی۔ وغیرہ

۵۔ اسلامیات:۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اسلام اور تاریخ امت محمدیہ (دورِ نبوت۔ اور خلافت۔ ادوار مابعد) اسلام اور دوسرے مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔ جدید مادّی تحریکات کا مطالعہ۔

ماضی اور حال کی اسلامی تحریکات کا مطالعہ۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تہذیب جدید کا ناقدانہ مطالعہ۔

---

[1] بلکہ اس معاملے میں بعض اساتذہ کی اس رائے کو میں وزن دیتا ہوں کہ جامعہ کی معلمات اور منتظم عملے کے افراد بھی اگر معیاری نہ ہوں تو بھی یونیورسٹی کی تاسیس کر دینی چاہیے۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی طرف سے جو امید دلائی گئی ہے۔ اگر وہ پوری نہ ہو سکی، یا اس میں بیجا تعویق ہوتی چلی گئی تو اس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔

۶ - انتہائی لازمی اور بنیادی مضمون بہ عنوان اسلامی حکمتِ حیات (ISLAMIC WISDOM OF LIFE)

یہ مضمون تعلیم کے ابتدائی درجے سے شروع ہو کر اُوپر تک جائے گا اور تمام علوم و فنون کے ساتھ یہ انتہائی لازمی ہوگا۔ اس مضمون کا مقصد طلبہ و طالبات کے ذہن و کردار کو اسلام سے ہم آہنگ کرنا ہے۔

اس مضمون میں اسلام کے بنیادی طرزِ فکر، عقائد، عبادات، اخلاقیات اور حدودِ حلال و حرام کے علاوہ اسلامی سیاست، اسلامی معاشرت اور اسلامی معیشت کے پورے پورے خاکے بیان ہوں گے تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام وغیرہ علوم کے نشوونما پر معلومات دی جائیں گی۔ ملت اسلامیہ کی سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ علوم و افکار کی تاریخ اور فرقہ بندی کا نشوونما اور ہیئت حاکمہ میں پیدا ہونے والے تغیرات طلبہ و طالبات کے سامنے لائے جائیں گے۔ ماضی اور حال میں نمودار ہونے والی احیائے اسلام کی تحریکات کو پیش کیا جائے گا۔ موجودہ دنیا میں غالب قوتوں اور جدید تہذیب اور اس کی پیدا کردہ سیاسی و معاشی تحریکات کے مقابلے میں اسلام کی دعوت کو ابھارنے اور تحریکی انداز پر کام کرنے کے لیے رہنمائی دی جائے گی۔ ملتِ اسلامیہ کی اہم تاریخی شخصیتوں اور ان کے کارناموں کا بیان ہوگا اور دورِ حاضر میں عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیتوں کا تعارف کرایا جائے گا۔ اہم اداروں اور کتابوں پر نظر ڈالی جائے گی۔

اس مضمون کا دوسرا جزو پاکستان اسٹڈیز یا مطالعہ پاکستان ہوگا جو پہلے سے رائج ہے۔

اس مضمون کا تیسرا جزو خواتین کے لیے خاص طور پر مرتب کرنا ہوگا۔ اس جزو میں خواتین کے مقام و منصب اور حقوق و فرائض پیش کیے جائیں گے۔ دائرہ زوجیت اور فریضہ امومت کے متعلق اسلامی حکمت اور اس کے ساتھ احکام مذکور ہوں گے۔ تاریخ اسلام میں قرونِ اولیٰ سے اب تک خواتین کے ایمانی و اخلاقی اور علمی و فکری اور تعلیمی و تصنیفی کارنامے پیش کیے جائیں گے۔ نیز مغرب کی تحریک آزادیٔ نسواں اور ترقی نسواں اور مساواتِ مرد و زن کے نظریے کا ناقدانہ مطالعہ کیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ پردے کے موضوع پر عقلی تجربات و شواہد کی روشنی میں دینی احکام کی حکمت و مصلحت کو اجاگر کیا جائے گا۔[1]

[1] اس ایک کتاب کو پورے نظام تعلیم پر از اوّل تا آخر پھیلائے ہوئے سلیبس کے مطابق جلد مرتب کرا لینا ہوگا۔ محکمۂ تعلیم یا اسلامی کونسل پسند کرے تو وہ ملک کی کسی ایک قابل اعتماد تنظیم یا ادارے کا تعاون اس کام کو ایک مدتِ معینہ میں کر دینے کے لیے حاصل کر سکتی ہے۔

باقی تمام مضامین کی نئی درسیات تیار ہونے کے وقفے تک یوں کام چلایا جا سکتا ہے کہ مضمون کے ساتھ ایک مختصر سا اضافی کورس ایسا شامل کر دیا جائے جو حسب ذیل اجزاء پر مشتمل ہو۔

۱۔ اس مضمون کے متعلق قرآن اور حدیث کی رہنمائی۔

۲۔ اس خاص دائرۂ علم میں مسلمانوں کا کیا ہوا پچھلا کام، اور موجودہ دور میں ہونے والی پیشقدمی۔

۳۔ اس مضمون میں لادین مادّہ پرستانہ تہذیب کے شامل شدہ نظریات و تصوّرات پر تنقیدی بحث۔

یہ ضرورتیں اُردو، انگریزی اور عربی میں اب تک کے شائع شدہ جدید لٹریچر (کتب اور مقالات و مضامین) سے پوری ہو سکتی ہیں۔ چند مقالات یا اقتباسات کو بطور مجموعہ مرتب کرایا جا سکتا ہے۔

ایسے اضافی کورسز میں سے بھی امتحانی سوالات دیے جائیں جو کم از کم ۲۵ فیصد نمبروں کے ہوں۔ اضافی کورسز (یعنی اسلامی حصّہ اور فاسد مغربی تہذیب کے متعلق تنقیدی حصّہ) سے متعلق پرچے یا سوالات میں پاس ہونے کے نمبر لیے بغیر کسی کو کامیاب نہ قرار دیا جائے۔

کچھ کام مروجہ کتب کے ساتھ مقدمے اور اُن کے مباحث پر جا بجا نوٹس لکھوا کر بھی لیا جا سکتا ہے۔

دوسرا ضروری کام عبوری وقفے کے لیے یہ ہے کہ ہر مضمون سے متعلق ٹیچرز گائیڈ بکس تیار کی جائیں۔ جن میں واضح کر دیا جائے کہ کسی مضمون کو پڑھاتے ہوئے کیا تبدیلی مطلوب ہے اور کیسا ذہن متعلمین میں تیار کرنا ہے، نیز اہم اور ضروری مواد بھی گائیڈ بکس میں شامل کیا جائے۔

مضامین کے لحاظ سے گروپس | اسلامی حکمت حیات + (پاکستان اسٹڈیز) + (مسلم خاتون کا منصب) اوّل درجے کا لازمی مضمون ہو گا اور ہر گروپ کے لیے ضروری۔

گروپس حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ فلسفہ گروپ۔ کوئی سے دو مضامین فلسفہ + لسانیات۔ یا اسلامیات یا انسانیات میں سے ایک مضمون۔

۲۔ انسانیات گروپ۔ کوئی سے دو مضامین انسانیات میں سے + لسانیات یا اسلامیات یا فلسفہ میں سے ایک مضمون۔

۳۔ اسلامیات گروپ۔ کوئی سے دو مضامین اسلامیات میں سے + لسانیات یا انسانیات یا فلسفہ میں سے ایک مضمون۔

۴۔ سائنس گروپ۔ کوئی سے دو مضامین سائنس میں سے + اسلامیات یا لسانیات یا انسانیات یا فلسفہ میں سے ایک مضمون۔

۵۔ لسانیات گروپ۔ کوئی سی دو زبانیں + اسلامیات یا انسانیات یا فلسفہ میں سے ایک مضمون۔

یعنی آنرز اور پوسٹ گریجوایٹ طالبات کے لیے پانچ گروپ متعین ہو گئے، جن میں سے ہر ایک کو اسلامی حکمتِ حیات سمیت جملہ چار مضامین لینے ہوں گے۔

نچلے تمام مدارجِ تعلیم کے لیے اسی کے مطابق نقشۂ نصابیات تجویز کرنا ہوگا۔

**خواتین کے لیے اقتصادی راستہ** تعلیم پا کر نوکریوں کی راہ پر دوڑ لگانے کا جو سلسلہ انگریزی دور سے مردوں میں چلا، وہی اب خواتین میں بھی عام ہو رہا ہے۔ حالانکہ جہاں تعلیم یافتہ مردوں کے لیے کافی روزگار نہ ہو وہاں عورتوں کا بھی اس میدان میں آ پہنچنا ملک کے مجموعی مفاد کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیوں نہ ایسی صنعتی اور پیشہ وارانہ تربیت سے خاتون کو آراستہ کر دیا جائے کہ وہ یونیورسٹی سے نکلتے ہی پورے اعتماد کے ساتھ پردہ داری کو قائم رکھتے ہوئے نہایت منفعت بخش کام شروع کرے۔

اس سلسلے کے مختلف درجوں کے کام بھی میٹرک، ایف۔اے، بی۔اے اور ایم۔اے کے مراحل تک پھیلا دینے چاہییں۔ عام کاموں میں سے گھر میں ٹائپ اور فوٹو سٹیٹ مشین کو ذریعہ آمدنی بنایا جاسکتا ہے۔ ترجمہ و تصنیف کے کام کیے جاسکتے ہیں۔ ریڈی میڈ گارمنٹس کا کاروبار چلایا جاسکتا ہے۔ ریڈیو اسمبلنگ اور گھڑیاں ٹائم پیس کی صنعت کو خواتین مل کر آرگنائز کرسکتی ہیں۔ سٹیل کے برتنوں پر پالش کرنے کی مشین کو ذریعہ آمدنی بنا سکتی ہیں۔ راستے بہت ہیں مگر تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ البتہ اتنا کہوں گا کہ کسی دکان پر سیلز گرل یا ہوٹل میں ویٹرس یا دفتر میں ٹائپسٹ بننے سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ گھروں میں دواسازی یا ورم اور براسو اور پالش اور سیاہی (خصوصاً پریس کے لیے) بنانے کے کام آزادانہ اور باعزت طریقے سے کیے جائیں۔

فصیل دار گراؤنڈز میں خواتین کھیلوں میں دلچسپی لیں اور جانوں اور عصمتوں کے تحفظ کے لیے جدید فنونِ مزاحمت بھی سیکھیں۔ بلکہ گاڑیوں کی ڈرائیونگ اور اسلحہ کا استعمال بھی جاننا چاہیے۔ ہو سکے تو وہ ہوائی جہاز چلانا بھی سیکھ لیں۔

خواتین یونیورسٹی میں صباحی خطابوں کے ذریعے، درس قرآن و حدیث کے ذریعے، اسلامی تقاریب اور تہواروں کا صحیح طریق سے اہتمام کرنے کے ذریعے، خاص خاص موضوعات پر ممتاز اسلامی شخصیتوں (خصوصیت سے خواتین) کو لیکچرز کے لیے مدعو کرنے کے ذریعے، اسلامی بنیادوں پر ذہن و کردار کی تعمیر کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

موجودہ عبوری حکومت کی بہترین ساکھ اسی شکل میں بنے گی کہ ایک اعلان شدہ کام جلد سے جلد عمل میں آجائے۔

# رُودادِ ابتلاء : احمد رائف مصری

## (۱۱)

جناب خلیل الحامدی صاحب

میں بے قابو ہو کر دھیمی دھیمی آواز میں اسٹور کے اندر موجود لوگوں سے پوچھنے لگا کہ ساتھیو ہر تو بتاؤ کہ تم میں سے کوئی خانگاہ کے رہنے والے شعبان نامی شخص کو جانتا ہے؟ ایک ہچکیاں لیتا ہوا انسان لڑکھڑاتی آواز میں آہستہ سے بولا : میں خانگاہ کا رہنے والا ہوں۔ میرے علم میں وہاں شعبان نامی کوئی شخص نہیں رہتا۔ ہاں ایک ساٹھ برس کا بوڑھا شاید اس نام سے موسوم ہے جو وہاں کی ڈسپنسری میں چپڑاسی ہے۔

میں اس کے مزید قریب ہوا اور بڑی دردمندی کے ساتھ اُس سے پوچھا : کیا اُس ڈسپنسری والے شعبان کا تم سے کوئی تعلق ہے؟

میرے ساتھ تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اَن پڑھ آدمی ہے۔ سیاست کی باتیں اُس کے فہم و شعور سے بالا ہیں۔

کیا اخوان کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہے؟

ہرگز نہیں۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اُس کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں؟

(سپاہیوں کی آمد کے خوف سے دبی زبان کے ساتھ) : میں اخوان میں سے ہوں۔ یقین جانیے۔ پورے علاقہ میں اخوان کی جماعت میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جس کا نام شعبان ہو۔

میں نے دوبارہ لجاجت کے ساتھ اور خدا کا واسطہ دے کر اُسے پوچھا : براہ کرم کچھ تو بتا دیں۔

آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں ؟

مجھے شعبان کے بارے میں کوئی معلومات دیں۔

کیا وہ شعبان جو ڈسپنسری میں چپڑاسی ہے ؟

جی ہاں۔

کس لیے ؟

مجھ سے جیل کے جلاد شعبان کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے اور مجھے قطعاً اس شخص کا کوئی علم نہیں ہے۔

بڑی بد دلی کے ساتھ بات کو ختم کرتے ہوئے وہ مجھے کہنے لگا: ہم میں سے ہر شخص ایک پیچیدہ مشکل میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ یہ ڈسپنسری والا مسکین شعبان دنیا کے بارے میں کوئی خبر نہیں رکھتا۔ شاید وہ کبھی خانقاہ سے باہر کہیں گیا بھی نہ ہو۔ کسی سیاسی سرگرمی سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ شاید اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ان دنوں مصر کا حاکم کون ہے۔ جس شعبان کے بارے میں آپ سے پوچھا جا رہا ہے وہ خانقاہ والا شعبان نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچیں۔ اور مجھے بھی مشغول نہ کریں۔

لیکن.......

(اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا) براہ کرم چپ ہو جائیے۔ میرا دماغ خود پریشانی میں مبتلا ہے۔ جتنا کچھ میں بتا چکا ہوں اس سے زیادہ شعبان کے بارے میں میرے پاس اور کچھ کہنے کو نہیں ہے۔

پھر وہ حسب سابق اپنی ویران دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا اور بہکی بہکی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور خوف و اضطراب اور تفکر کی جس حالت میں وہ پہلے مبتلا تھا وہ پھر عود کر آئی۔ میں نے بہت جتن کیے کہ اس سے شعبان کے بارے میں کچھ اگلواؤں مگر ناکام رہا۔ اپنی پتھرائی ہوئی اور ویران آنکھوں کے جھروکے سے میں مختلف ساتھیوں کے چہرے پڑھتا اور غیر شعوری انداز میں ان کا جائزہ لیتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ کرب ان چہروں کو اسی طرح سے چبا رہا ہے جیسے درندہ شکار کو جھنجوڑتا ہے۔ یہ زرد رنگ کے چہرے، حزن و ملال میں ڈوبے ہوئے۔ اور ان پر گاڑھے خون میں لت پت مٹی کی تہیں جمی ہوئیں۔ بعض چہروں پر خون ابھی تازہ تازہ چمک رہا تھا جو بھوؤں کے اوپر سے بہ کر گالوں پر لکیریں ڈالتا ہوا انسانیت

کا مرثیہ لکھ رہا تھا - مگر یہ لوگ خون کی ان لکیروں کی طرف دھیان ہی نہ دے رہے تھے - وہ مکمل حواس باختگی کے عالم میں تھے - کیا نرالا منظر تھا کہ انسان کے چہرے اور کپڑوں پہ خون کی دھاریں بہ رہی ہوں مگر وہ اس کے سوا کچھ نہ کر پاتا ہو کہ اگر وہ دھاریں اُس کی آنکھوں میں داخل ہونے لگیں تو انہیں انگلیوں سے پونچھ ڈالے۔

میں ایک ایک چہرے پہ نظر دوڑاتا رہا - سب چہرے غبار آلود اور خون بداماں تھے - اور کوئی ایسی علامت باقی نہ رہ گئی تھی جو ایک چہرے کو دوسرے سے متمیز کرتی - آخر میں میری نگاہیں ایک مخصوص چہرے پہ گڑ گئیں - یہ انسان طلوع آفتاب سے پہلے یہاں آیا تھا - نہ جانے کیوں تاریکی کے دوران میری نظریں اُس پہ مرکوز رہیں - یہاں تک کہ جب دن طلوع ہوا تو میں نے اُسے صاف صاف دیکھ لیا - اس سے پیشتر چند لمحات تک تو میرا ذہن گذشتہ فوجی افسر کے مارے جانے کے واقعہ پہ اس قدر کھویا رہا کہ کسی اور چیز کا ہوش نہ رہا مگر اب ذرا ذہن نے سکون لیا تو اس نئے انسان کو بغور دیکھنے کا موقع میسر آ گیا -

یہ نیا انسان بڑا خوش شکل اور گل اندام تھا - ۲۵ سال کے لگ بھگ عمر ہو گی - اُس کے ہونٹوں پہ بجھا بجھا تبسم تھا - یا دوسرے لفظوں میں ایسا تبسم جیسے شمع آخری ہچکی لے رہی ہو - اس گلبدن نے نہایت نفیس پوشاک زیب تن کر رکھی تھی - ڈاڑھی اور مونچھیں دونوں صاف تھیں - ایک وارفتگی کے عالم میں وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے کھیلنے کی کوشش کرتا اور پھر اپنی نگاہیں ایک مخصوص جگہ پہ گاڑ دیتا - اُس کی کوشش ہوتی کہ ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیرے - مگر وہ مسکراہٹ بجھی بجھی ہوتی یا یوں سمجھیے کہ وہ بجھنے کے قریب ہوتی - میں بے خودی میں سب چہروں کو بار بار دیکھ کر ہر بار اس انسان کے چہرے کو تاکنے لگتا - اُسے بھی اندازہ ہو گیا کہ میں رہ رہ کر اُسے تاکتا ہوں - میں دل میں کہتا: کیا اس انسان کو میں نے پہلے کہیں دیکھا ہے! کہاں دیکھا اور کب دیکھا ہے! اس انسان کا چند لمحات کے بعد کیا انجام ہونے والا ہے! اور خود میرا انجام کیا ہو گا! ہم سب فنا کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں - موت کی بُو ہم سب کو شدت سے آ رہی ہے ——— یہاں ایک ہی حقیقت سے ہم سب کا پالا ہے اور وہ ہے حتمی اور یقینی موت -

وہ نوجوان میرے قریب ہوا - مجھ سے وہ پہلے بھی دو چار بالشت سے زیادہ دور نہ تھا - بڑی سنجیدگی کے ساتھ میرے کان میں کہنے لگا: "میں آپ کو ایک نہایت اہم بات بتانا چاہتا ہوں" یہ سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے - یہ نوجوان آخر کونسی غیر معمولی بات میرے علم میں لانا چاہتا ہے - میں نے

اپنے آپ سے اس مُبہم خطرے کو ٹالتے ہوئے اُس سے کہا: میں آپ کو نہیں جانتا ہوں اور نہ کبھی اس سے پہلے آپ کو دیکھا ہے۔ اُس نے سُنی اَن سُنی کر دی۔ اُس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ اُس کی مسکراہٹ میں تازگی آگئی ہے۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی مسکراہٹ میں کوئی تازگی نہ تھی بلکہ یہ میرا وہم تھا۔

اُس نے مجھ سے کہا: میرا نام عاطف ہے۔ میں بنک آف مصر میں کام کرتا ہوں۔

برادرم میں آپ کو نہیں جانتا۔ اور آپ کا نام سُن کر بھی مجھے کوئی سابقہ تعلق نہیں یاد آرہا۔

آواز بلند نہ کریں اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سُنیں۔

میں نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان کسی اُلجھن میں گرفتار ہے۔ اور اُسے یہ خیال ہے کہ میں اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ دل پہ پتھر رکھ کر آخر میں نے اُس کی بات سننے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بڑے حوصلے کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا۔ اُس کی رنج و غم میں ڈوبی ہوئی نظریں دیکھ کر میں یک دم کرب میں مبتلا ہو گیا۔ اور میں نے اس سے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں حاضر ہوں۔ مگر اے کاش کہ میں آپ کو کچھ پیش کر سکتا۔ کہنے لگا:

کیا فی الواقع آپ مجھے نہیں جانتے؟

ہرگز نہیں جانتا۔

یاد کیجیے۔ آپ کا چہرہ میرے لیے نامانوس نہیں ہے۔ میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو کسی جگہ دیکھا ہے۔

یقین جانیے، میں نے اس سے پیشتر آپ کو نہیں دیکھا۔

تو پھر آپ کا چہرہ مجھے مانوس کیوں نظر آرہا ہے؟

مجھے نہیں معلوم۔

کیا آپ راز چھپا کر رکھ سکتے ہیں؟

یقیناً۔ لیکن کیا ممکن نہیں ہے کہ یہاں آپ اپنے راز اپنے پاس ہی چھپا کر رکھیں۔ شاید۔

شاید؟ کیا شاید؟ ہر انسان راز چھپا کر رکھ سکتا ہے۔

بشرطیکہ وہ انسان کوڑوں سے زیادہ مضبوط ہو۔

کیا کوڑا انسان سے مضبوط ہے؟

شاید۔

پروا نہیں۔ میں اپنا راز آپ کو بتائے دیتا ہوں۔

میں آپ کو صبر کا ہی مشورہ دوں گا۔

چھوڑیے یہ بات۔ میری سنیے۔

آپ مجھے ہی خاص طور پر اپنی بات کیوں بتانا چاہتے ہیں؟

آپ کا چہرہ مجھے مانوس نظر آ رہا ہے۔

کیا آپ کو یہ خدشہ نہیں ہے کہ آپ کا اندازہ غلط ہو۔

پروا نہیں۔

درحقیقت آپ میرے اندر دلچسپی پیدا کر رہے ہیں۔

اس لیے کہ شاید ہم دو دوست ہیں۔

ماضی میں تو ہم دوست نہیں رہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ اب ہم رشتۂ دوستی استوار کر لیں۔

آپ کو دراصل مذاق کی سوجھی ہے۔

ہرگز نہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔

یہ سن کر میں نے اس عجیب و غریب انسان پر بے ساختہ ایک خندۂ استہزا لگایا۔ کیا ان حالات میں اُسے دوستی کا رشتہ استوار کرنے کی سوجھی ہے؟ مگر شاید آنے والے خطرے کے احساس نے اُسے باہم تعلق قائم کرنے پر مجبور کیا ہو ——— یا شاید وہ کسی بات کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ شاید.... شاید..."

اُس کا صباحت آمیز اور شرافت سے لبریز چہرہ حزن و ملال میں ڈوبا ہوا نظر آیا اور اُس کی چشم ۂ ہالہ دار کے جھروکوں سے جو نظریں چھن چھن کر ادھر اُدھر بکھر رہی تھیں اُن میں بھی رنج و اندوہ کی غیر معمولی آمیزش تھی۔ دوسری مرتبہ اُس نے ایک مسکراہٹ لی۔ پیار سے بھری ہوئی اور اخلاص و عقیدت میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ۔ ایک خوشگوار لمحہ پیدا ہو گیا۔ مجھے بھی ہنسی آنے لگی۔ میں نے عرض کیا:

مجھے منظور ہے۔ کوئی حرج نہیں، ہم دوست بن جاتے ہیں۔ میرا نام ہے......

(بات کاٹتے ہوئے) ہاں میں اپنا راز بتانا بھول گیا۔

کیا راز ہے؟

وہی راز جس کے بارے میں مَیں ابھی آپ کو اشارہ کر چکا ہوں۔

کوئی حرج نہیں۔ بتائیے۔ مَیں کان دھر کر سُن رہا ہوں۔

اُس نے وفورِ احتیاط سے اِدھر اُدھر جھانکا۔ سنجیدگی اور موضوع کی اہمیت کی علامتیں اُس کے چہرے سے عیاں تھیں۔ کہنے لگا:

اس موضوع کا تعلق نبیلہ سے ہے۔

نبیلہ؟

جی ہاں۔

کونسی نبیلہ؟

صبر کیجیے۔ میں ہر چیز آپ سے عرض کیے دیتا ہوں۔

میرے دل میں از سرِ نو خوف کے جذبات اُبھر آئے۔ اور ابھی ابھی جو خوشگوار لمحہ پیدا ہوا تھا وہ کافور ہونے لگا۔ کیونکہ اس جگہ مَیں کسی بھی لڑکی کا نام سُننا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ حالت یہ تھی کہ ادھر ہونٹوں پر کسی انسان کا نام آتا اور اُدھر پلک جھپکنے میں اُسے یہاں لے آیا جاتا۔ خواہ وہ انسان —— بقولِ افسرانِ جیل —— عفریت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن عاطف صاحب نے میرے افکار و خیالات پر جو میرے ذہن میں موجزن تھے، کچھ توجہ نہ دی۔ وہ بات چیت کے شوق میں تھے۔ بڑی پیار سی آواز کے ساتھ کہنے لگے: "مجھے اُس سے بڑی محبت تھی۔ وہ بھی مجھ سے بہت پیار رکھتی تھی۔" مجھے بھی تمسخر کی سُوجھی۔ میں نے اُسے کہا: "تو کیا آپ یہاں مجھے اپنے عشق و محبت کی داستان سُنانا چاہتے ہیں؟

اُس نے بڑی سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا: ہاں۔ اس میں کیا عیب ہے۔" مَیں نے کہا: بات تو کچھ نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ جگہ ایسی کہانیوں کے لیے غیر مناسب نہیں ہے۔" کہنے لگا: میں تو بالکل مناسب سمجھتا ہوں۔"

میں نے اس کے چہرے کو ذرا غور سے پڑھا۔ وہ مسکین پوری طرح وارفتگی اور دیوانگی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب گہری نظروں سے میں نے اُسے دیکھا۔ میرے دل کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ یہ مسکین بالکل غیر معتدل حالت میں ڈوب

رہا تھا۔ جس انداز میں اُسے جیل میں لایا گیا ہے اُس سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ سوچا کہ اب اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ ۔۔۔ کچھ نہیں کر سکتا۔ اتنے میں وہ یکایک زار زار رونے لگ گیا۔ اور اُس کی زبان سے اسی حالت میں یہ کلمات نکلنے لگے۔: اُسے زبردستی اُٹھا کر لے گئے۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر انہیں کہا کہ اسے چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے کچھ نہ سُنی۔ وہ لڑکی بڑی بھلی تھی"۔

اُس کے درد بھرے الفاظ نے میرے احساس و شعور میں ہنگامہ محشر بپا کر دیا۔ میں نے یکایک اُس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا:

کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ؟

نبیلہ کے بارے میں۔ کل ہماری شادی ہونے والی تھی۔ نکاح خواں بھی آگیا تھا ۔۔۔ لیکن .....

لیکن کیا ہوا؟

مجھے اور اُسے دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُسے گھسیٹ کر لے گئے۔

کون اُسے گھسیٹ کر لے گیا؟

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ۔

نکاح کے دوران ہی؟

جی ہاں۔ ابھی نکاح پڑھا نہیں گیا تھا۔

کیوں لے گئے؟

کچھ نہیں معلوم۔

معلوم ہوتا ہے تم دونوں کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے۔

میں اور وہ دونوں مسلمان ہیں ۔۔ اسلام پسند ہیں۔

یہ سُرخ اندھیروں کا زمانہ ہے۔ انٹیلی جنس کے لوگ مسلمانوں یا دوسرے لفظوں میں اسلام پسندوں کو چُن چُن کر پکڑ رہے ہیں۔

کسے خوش کرنے کے لیے؟

روس کو خوش کرنے کے لیے۔ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے۔ یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے۔

یہودیوں کو خوش کرنا بھی مقصود ہے؟

بے شک ۔

کیا ہم یہودیوں کے دشمن نہیں ہیں ؟ ۔ کیا ان کے ساتھ ہماری جنگ نہیں ہے ؟

ہماری کمشنر بھیپرلسن کر ایک ضعیف العمر قیدی ہمارے قریب ہوگیا ۔ اس کی پیشانی پہ سجدہ کے نشان کے پاس سے خون کی دھار بہ رہی تھی ۔ وہ کہنے لگا : اوپر اوپر سے ہم یہودیوں کے خلاف ہیں ۔ لیکن حقیقت میں ہم ان کے سچے اور وفادار خادم ہیں ۔

میں نے کہا : " ہم کون ؟ "

بوڑھا قیدی : ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ، امن عامہ قائم کرنے والے ادارے اور ان کے سرپرست ۔

راقم : آپ بہت خطرناک بات کر رہے ہیں ۔

قیدی : میں سچ بات کہہ رہا ہوں ۔ حکمرانوں کا رویہ قوم کو کمزور کر رہا ہے ۔ یہ قوم آئندہ جنگ نہیں لڑ سکے گی ۔

راقم : کونسی جنگ ؟

قیدی : یہ پکڑ دھکڑ جونہی ختم ہوگی ، ہمارا ملک اسرائیل کے ساتھ ایک نئی جنگ میں داخل ہوگا ۔ مگر ہم اسرائیلیوں سے عبرتناک شکست کھا جائیں گے ۔ یہ شکست قوم کی بنیاد ہلا کر رکھ دے گی ۔

راقم : بخدا یہ آپ نے بڑی اچنبھے کی بات کہی ۔

قیدی : آنے والے دن آپ کے لیے وہ خبریں لائیں گے جو اب آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں ۔

عاطف بیچارہ ہمارے پاس چپ چاپ بیٹھا رہا ۔ منتشر و پراگندہ خیال ۔ ہماری گفتگو کو وہ شاید نہیں سمجھ سکا ۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن بڑبڑاتا رہا ۔ اور بار بار یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلتے : جب ہم اٹھے تو وہ لوگ اسے گھسیٹ کر کسی جگہ لے گئے ۔ کہنے لگے ہم دونوں کو جیل بھیجا جا رہا ہے ۔ انسپکٹر نے مجھ سے شادی کی انگشتری بھی لے لی " ۔ بوڑھا مجروح قیدی اسے کہنے لگا " کیا یہ انگشتری سونے کی تھی ؟ " عاطف نے جواب دیا : " جی ہاں سونے کی تھی " ۔ بوڑھے شیخ نے کہا : کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے ؟

یوں ہر شخص اپنے ہی خیالات و افکار کے گرد گھوم رہا تھا ۔ مجھے یہ فکر کہ خانگاہ والا شعبان کون ہے اور کہاں ہے ۔ عاطف کو یہ غم کہ اڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے ۔ اور شیخ اس سوچ میں غرق کہ یہودی اس ملک پہ چڑھ دوڑنے والے ہیں ۔

(باقی)

# رسائل و مسائل

## مُردار کی کھال پر مزید بحث

از جناب ملک غلام علی صاحب

**سوال**:- ترجمان اپریل ۸۳ء میں آپ کا مضمون مردار کی کھال کے بارے میں پڑھا - اس سے صرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسی کھال کو جب تک دباغت نہ دی جائے، اُس کی طہارت اور فروخت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے - اس لیے احتیاط کا پہلو بہرحال اسی میں ہے کہ غیر مدبوغ کھال کی خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے تاکہ اختلاف کے دائرے میں قدم نہ پڑنے پائے - یہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ فقہائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر مدبوغ جلد میتہ سے انتفاع اور اس کی بیع و شراء جائز نہیں ہے، مثلاً ہدایہ کتاب البیوع میں ہے لا یجوز بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ (دباغت سے قبل مردار کی جلد کی بیع جائز نہیں) - لیکن آپ نے حنفیہ کے مسلک کا ذکر ہی نہیں کیا - اگر آپ کو اس سے اختلاف ہو، تب بھی اس مسلک کو بالکل نظر انداز کر دینا تو صحیح نہیں ہے، جب کہ ہمارے ہاں اکثریت اسی پر عامل ہے - اگر آپ کو اس سے اختلاف ہو اور آپ کی نظر میں امام بخاری یا امام ابن شہاب زہری کا مسلک قوی تر ہو تو آپ اس کو اختیار کر سکتے ہیں - ایسے معاملات میں توسّع ممکن ہے مگر حنفیہ کا مذہب بیان ضرور ہونا چاہیے تاکہ جو اس پر چلنا چاہے وہ غلط فہمی یا ناواقفیت کی بنا پر اُسے ترک نہ کرے۔

ہاں، احناف کے ہاں بھی اگر فتوے میں تبدیلی واقع ہو چکی ہو یا مختلف اقوال موجود ہوں تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا - مگر ایسا میرے علم میں نہیں ہے - آپ کو یاد ہوگا کہ جون ۸۲ء کے ترجمان میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں تعلیم قرآن اور خدمات دینیہ کی اُجرت کے جواز و عدم جواز پر بحث کر کے اسے جائز قرار دیا تھا - مگر ایک حنفی عالم دین نے اعتراض کرتے ہوئے آپ کو احکام القرآن

جصاص کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ایسی اُجرت ناجائز ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں بہت سے متاخرین حنفیہ کے اقوال درج کر کے ستمبر ۴۳ء کے ترجمان میں دوبارہ تفصیل سے واضح کر دیا کہ اب حنفیہ کے ہاں بھی فتوٰی تبدیل ہو چکا ہے، اس لیے کوئی شخص اگر مناسب معاوضہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے اور دوسرے ائمہ اسے پہلے ہی سے جائز سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت ہو یا جو بھی صورت ہو اگر بہتر خیال کریں تو اس مسئلے پر اس پہلو سے دوبارہ روشنی ڈالیں کہ احناف کا موقف اس معاملے میں کیا ہے اور اس سے آپ کو کہاں تک اتفاق یا اختلاف ہے۔

**جواب:** مجھے معلوم ہے کہ حنفی فقہاء کا فتوٰی یہی ہے کہ غیر مذبوح جانور کی غیر مدبوغ کھال کی بیع جائز نہیں ہے۔ ہدایہ کی عبارت اور اس طرح کے دوسرے اقوال سے میں ناواقف نہیں ہوں، نہ میں نے اپنی بحث میں انھیں قصداً یا بلا وجہ نظرانداز کیا ہے۔ حنفیہ کے اس فتوے میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ لیکن فقہائے حنفیہ جب جلد کی طہارت و نجاست اور اس کی خرید و فروخت کے مسائل پر بحث کرتے ہیں تو وہ جلدِ میتہ کی بیع اور اس سے انتفاع کے لیے جس "دباغت" کو شرط قرار دیتے ہیں وہ اُس دباغت سے بالکل مختلف ہے جسے لغوی یا فنی اعتبار سے عملِ دباغت کا نام دیا جاتا ہے اور جو مطبوعہ سوال وجواب میں سائل اور میرے پیش نظر تھی۔ لغت کے معروف معنوں میں دباغت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کھال کو سکھایا اور گلنے سڑنے سے بچایا جائے۔ پھر اس کی بُو اور دیگر آلائشوں کو زائل کیا جائے اور کیمیاوی یا نباتاتی اشیاء کی مدد سے اُسے نرم کر کے اور پکا کر کے دھوڑی یا پوستین وغیرہ کی شکل میں تبدیل کیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے بجائے اگر مردہ جانور کی کھال کو خشک کر کے رطوبت دُور کر دی جائے اور فقط دھوپ یا ہوا میں اس کو حتی الوسع بُو سے پاک کر لیا جائے تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور ایسی کھال کو کام میں لایا اور بیچا جا سکتا ہے۔ حنفی کتب کے ابواب البیوع میں بعض اوقات پوری تفصیل نہیں ملتی کیونکہ اس سے پہلے طہارت و نجاست کے ابواب میں مصنف بحث کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے پوری جزئیات کو معلوم کرنے کے لیے دونوں مقامات کا دیکھنا ضروری ہے۔

آپ نے بھی ہدایہ، کتاب البیوع کا حوالہ تو دے دیا ہے، مگر طہارت کے ابواب غالباً نہیں دیکھے۔ ورنہ کتاب الطہارت، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء کے اواخر میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ما یمنع النتن والفساد فھو دباغ وان کان تشمیسا او تتریبا۔

(جو ترکیب بھی جلد میں بُو کو روک دے اور اسے گلنے سڑنے نہ دے، بس وہی دباغت ہے خواہ

یہ مقصد دھوپ لگانے سے یا مٹی ڈالنے سے حاصل ہو)

کنز الدقائق میں بھی طہارت کے لیے مطلوب دباغت کی یہی تعریف بیان کی گئی ہے۔ مختصر القدوری کی شرح الجوہرۃ النیّرہ میں مزید تفصیل یوں ہے:

الدباغ نوعان، حقیقی کالقرظ وقشور الرُّمّان واشباہ ذلک وحکمی کالشمس والتراب۔

(دباغت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک حقیقی جو مثلاً کیکر، ببول، انار وغیرہ کی چھال سے دی جاتی ہے، دوسری حکمی جو محض دھوپ یا مٹی کی مدد سے ہو)۔

دوسری نوعیت کی حکمی دباغت، جو طہارت کا حکم لگانے کے لیے کافی ہے، اس کے بارے میں شرح القدوری کے اس مقام پر مزید بیان کیا گیا ہے کہ حکماً مدبوغ کھال اگر دوبارہ پانی سے گیلی ہو جائے تو بعض کے نزدیک اس میں نجاست عود کر آتی ہے اور بعض کے نزدیک یہ پاک ہی رہتی ہے اور یہ دوسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ دباغت کی یہ دونوں قسمیں شرح وقایہ، مُنیۃ المصلّی کی شرح الکبیر اور دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ کبیری کی عبارت جو حکمی دباغت سے متعلق ہے، درج ذیل ہے:

یخرج الجلد عن حکم الفساد ویزول النتن عنہ من غیر استعمال شیء من الادویہ، اما بالتتریب ای بالقاء التراب علیہ او القائہ فی التراب فیمص رطوباتہ او بالتشمیس ای بالقائہ فی الشمس، او بالقائہ فی الریح فیزیل رطوباتہ فھذہ الدباغۃ معتبرۃ ایضاً عندنا۔

(دواؤں کے استعمال کے بغیر بھی کھال گلنے سڑنے سے بچ سکتی ہے اور اس کی بدبو زائل ہو سکتی ہے، اس طرح کہ اس پر مٹی ڈال دی جائے یا اسے مٹی کے اندر ڈال دیا جائے اور اس کی رطوبتیں جذب ہو جائیں یا دھوپ یا ہوا میں ڈال دی جائے جو اس کی رطوبات کو خشک کر دے۔ ہمارے نزدیک یہ دباغت بھی معتبر ہے)

میں نے اپنی سابق بحث میں جس دباغت کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد حقیقی و فنی دباغت ہے جسے عرفِ عام میں دباغت کہا جاتا ہے۔ مگر فقہائے حنفیہ کے لیے جو دباغت طہارت دبیع کے لیے معتبر ہے اس کی رو سے مُردہ جانور کی کھال بیچنے سے پہلے اُسے مٹی یا نمک کی مدد سے یا اس کے بغیر بھی ممکن ہو تو سکھا کر اس کی بُو اڑا

دینی چاہیے۔ اس کے بعد اس کی خرید و فروخت بلا تردد جائز ہے۔ جہاں تک حلال، ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانور کی گیلی کھال کا تعلق ہے، اس کی بیع کو بھی جو اصحاب جائز سمجھتے ہیں ان کے متعلق میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اُن کا مسلک بھی بالکل بے وزن اور بے اصل نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کا استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں میتہ وغیرہ کی حرمت بیان ہوئی ہے اس کا تعلق اکل و شرب سے ہے اور کھانے کی چیز فقط گوشت ہے۔ دوسرے بعض اجزاء جن کا تعلق کھانے سے نہیں بلکہ دوسری طرح کے استعمال سے ہے، ان سے انتفاع حرام نہیں ہے۔ خود حنفی فقہاء میں سے بعض نے مردار کے پٹھوں، بالوں اور ہڈی سے استفادے کو جائز رکھا ہے۔ سید سابق اپنی کتاب فقہ السنہ جلد اول، الطہارۃ میں لکھتے ہیں:

عظم المیتة وقرنها وظفرها وشعرها وریشها وجلدها طاهر لان الاصل فی هذه کلها الطهارة ولا دلیل علی النجاسة۔

(مردار کی ہڈی، سینگ، ناخن، بال، پر اور جلد پاک ہے۔ کیونکہ ان اجزاء میں اصل طہارت ہے اور نجاست پر کوئی دلیل نہیں)۔

پھر انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے جو دارقطنی اور ابن منذر نے روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبید الله بن عبد الله ابن عباس انما حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم من المیتة لحمها فاما الجلد والشعر والصوف فلا بأس به۔

[عبید اللہ بن عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کا صرف گوشت حرام کیا ہے۔ جہاں تک جلد، بال اور پشم کا تعلق ہے (اس کے استعمال میں) مضائقہ نہیں]۔

اس روایت کو امام ابن الہمام نے بھی فتح القدیر، باب الماء کے آخر میں نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث معلول نہیں اور اس کا درجہ حسن سے کم نہیں۔

(بقیہ اشارات) نہیں - یہ گفتگو انہوں نے مستفسر کے ہم خیال عنصر کی کمزور ذہنیت کا علاج کرنے کے لیے کی۔ بہر حال لطف آگیا - حافظ صاحب کے مقالے کا اثر اور بڑھ گیا۔

---

فہرست شرکاء میں جو دو تین نام میری حیرت کا باعث ہوئے، ان میں نمایاں ترین ایک شعبے کے ایسے سربراہ کا نام تھا، جن کے خیالات کے خلاف پنڈی کے پریس میں پہلے ہی تموج تھا[1] - اُن کی کہی ہوئی جن باتوں پہ لوگ مضطرب تھے، ان باتوں کا صاحب موصوف نے دھڑلے سے اثبات کیا - ایسے اصحاب کا اسلامی خدمات کے اداروں میں بر سرِ مناصب رہنا تو ایک الگ مسئلہ ہے۔ ہم تو صرف یہ سوچتے ہیں کہ ان کو قومی سیرت کانفرنس کے سٹیج پر طلب کرنا کیا ضرور ر !

موصوف کے خیالات کا یہاں جائزہ لینا مطلوب نہیں، مگر اتنا اندازہ ہے کہ وہ ایک ایسے سیکولر اسلام کو پسند کرتے ہیں جو صوبوں اور نسلوں ہی سے نہیں، لوگوں کے اعتقادات سے بھی بالاتر ہو کر کام کرے - مگر کون ایسے حضرات کو بتائے کہ دنیا میں سیکولرازم بری طرح فیل ہو رہا ہے جس کا ایک مظاہرہ یہ ہے کہ مختلف مذہبوں کو جوڑ کر جو سیکولر وطنی قومیتیں بنائی گئی تھیں وہ دنیا بھر میں ٹوٹ رہی ہیں۔ اس کا ایک بڑا تجربہ تو برصغیر ہی میں پیش آیا، مگر اب یہ دیکھیے کہ قبرص، حبشہ، فلپائن وغیرہ ممالک میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا رشتۂ قومیت درہم برہم ہو رہا ہے - اسرائیل نے عربوں کو عالمی قوتوں کے مواعید اور اعلانوں سے منہ موڑ کر بے وطن کر دیا ہے، لبنان اور کئی دوسرے علاقوں میں عیسائی اقلیتیں مسلم اکثریتوں کے خلاف جنگ آزما ہیں - مسلمانوں کو دور کنار رکھیے، خود برطانیہ کی عیسائی قومیت اب رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کو یکجا رکھنے کے لیے آخری مرحلے کی کوششیں کر رہی ہے - مگر ہمارے سیکولر مسلمان ابھی تک مذہب سے بالاتر کسی معجونِ فلک سیر کے نشے میں ہیں۔

---

مجھے ایک اور چیز نے حیرت میں ڈال دیا - چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے جو افتتاحی خطاب

---

[1] ان کا معاملہ ایسا تھا جیسے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ: (THE PATIANT WITH A HISTORY) ایسے لوگوں کے کاندھے پہ ان کے ماضی کا ریکارڈ لدا ہوتا ہے، اور اُن کی لوحِ جبین پہ ان کی اپنی تحریریں درج ہوتی ہیں۔

فرمایا۔ اس میں متعدد بار اسلامی نظام کے الفاظ استعمال فرمائے، کوئی دوسری متبادل اصطلاح تقریر میں نہیں آئی۔ خود میں نے یہ پوری تقریر سنی۔ لیکن ٹیلی وژن میں اصل تقریر سنانے کے علاوہ ایسا بھی ہوا کہ رپورٹنگ میں اسلامی نظام کے بجائے نظامِ مصطفیٰؐ کے الفاظ استعمال کیے گئے۔ بلحاظ حقیقت کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ میں خود بھی بارہا نظامِ مصطفیٰؐ کی ترکیب استعمال کرتا ہوں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملک میں سب سے بڑی سیاسی قوت رکھنے والی شخصیت کی بات ذرائع ابلاغ سے پیش کرنے والوں کو یہ جسارت نہیں کرنی چاہیے کہ وہ اس کے استعمال کردہ الفاظ و اصطلاحات میں اپنی طرف سے ردّ و بدل کریں، خواہ اُن کی نیت اچھی اور ذہن معصومانہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر بطورِ خاص اس کی اجازت لے لی گئی ہو تو معاملہ دوسرا ہے۔ دراصل ٹیلی وژن اور دوسرے ادارہائے نشر و ابلاغ میں چونکہ ایسے حضرات موجود ہیں جو "اَقُوْلُ" کو "قَالَ" بنا سکتے ہیں، لہٰذا ٹیلی وژن کے حالیہ ہنگامے کے حوالے سے جب ذراسی تحریف پر نظر جاتی ہے تو تشویش ہوتی ہے۔ یہ تشویش میں نے دو ایک اور ذمہ دار اصحاب میں بھی پائی۔ مگر خاموشی ہی مناسب سمجھی کہ اس رائی کے پیچھے کے پہاڑ کو جب ہم دیکھ نہیں سکتے تو پھر کسی اہم جگہ تک اس حقے کو پہنچائیں ہی کیوں؟

ایک بات تھی، ہم نے محسوس کی، بعض نے بالکل محسوس نہ کی ہوگی اور سب کچھ رفت گذشت ہوگیا۔ شُد آنچہ شُد۔

---

بارے کچھ اپنا بیان بھی ہو جائے، ہر چند کہ "یہ حسن طبیعت نہیں مجھے"

پہلے دن بعد مغرب کی نشست میں مجھے موقع ملا۔ میں نے اپنے مقالہ میں حسبِ عادت مروّج مباحث کو چھوڑ کر ایک نیا تصور اُٹھایا تھا۔ عنوان تھا: "حضورؐ کا عطا کردہ نیکی کا تصور"۔ اٹھارہ بیس صفحے کے مقالے کا تصور سامنے آتا تھا جسے قومی سیرت کانفرنس کے دو روزہ بھاری پروگرام کی وجہ سے میں نے مختصر کر کے چار پانچ صفحوں میں سکیڑ دیا۔ اور جب پیش کرنے کا وقت آیا تو جو اوسط وقت میرے حصے میں آتا تھا وہ دس منٹ تھا۔ مجبوراً لکھے ہوئے صفحات ایک طرف رکھ دیے اور مختصر سی تقریر کر دی۔ بس ایک ہی بنیادی نکتہ بیان ہو سکا۔ وہ یہ تھا کہ نگار خانۂ تخلیق کا وہ پیکرِ اوّلیں جس کے اندر نیکی اور بدی کی کشمکش کی چنگاری پہلی بار دہک اٹھی، اسی سے انسانیت کا آغاز ہوتا ہے اور یہی وہ اہم جوہر ہے جو اسے تمام دوسرے حیوانات سے الگ کر دیتا ہے۔ انسان کی ساری تاریخ نیکی کا راستہ تلاش کرنے اور بار بار بھٹک کر تباہ ہونے کی رُوداد

پر مشتمل ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ وہ محض کامیابی، فتح اور خوشی کے راستوں کو نیکی کا راستہ سمجھ کر چلنے والوں کو اُن کے مغالطوں سے نکال کر نیکی کے روشن صراطِ مستقیم پہ ڈال دیں۔ انبیاء اور علی الخصوص حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بتاتی ہے تمام نیکیوں کا آغاز اس بات سے ہے کہ آدمی اس سلطنتِ کائنات میں اپنا صحیح مقام جان لے۔ اس کائنات کا ایک خدا ہے، یہ ساری اس کی سلطنت ہے اور اس کی تمام مخلوق اس کی رعایا ہے۔ انسان کا صحیح مقام بھی یہی ہے کہ وہ فرمانروائے کائنات کے ساتھ عبدیت کا معاملہ رکھے۔ خدائے واحد کو ماننے کے بعد اسی سے دوسرا تصور یہ حاصل ہوتا ہے کہ تمام انسان عبدیت کے مساویانہ مقام پہ ہونے کی وجہ سے مساوی ہیں اور ان میں اُونچ نیچ نہیں۔ یعنی وحدتِ ربّ کے ساتھ وحدتِ اَب، یا وحدتِ الٰہ کے ساتھ وحدتِ انسانیت کا تسلیم کرنا لازم ہے۔ پھر انہی تصورات پہ یہ امر بھی مبنی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی خدائے کارفرما کی سلطنت ہے جس پہ ایک ہی طبیعاتی، ریاضیاتی اور حیاتیاتی قوانین عمل کر رہے ہیں۔ پس وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے ساتھ وحدتِ کائنات کا تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ مزید ایک علم جو آنحضورؐ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے وہ وحدتِ حیاتِ انسانی کا علم ہے۔ یعنی آدمی کی زندگی کو خانوں میں نہیں باٹا جا سکتا کہ ہر خانے کا الٰہ اور ہر خانے کا دین الگ الگ ہو۔ اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ایک شعور وحدتِ تاریخ کا شعور ہے۔ یعنی ساری تاریخ انسانی پر ایک ہی نوامیسِ الٰہی جاری ہیں اور ہر دَور میں سنت اللہ ایک ہی رہتی ہے۔ ہر دَور میں انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی، اس کا اثر قبول کرنے والوں اور انکار کرنے والوں پہ یکساں ہوا، ان کے خلاف ایک ہی طرح کے الزامات اور شدائد اُبھرے، اُن کی تربیت سے ایک ہی جیسے کردار نمودار ہوئے، اور اُن کی دعوت کو قبول یا مسترد کرنے والی اقوام کو ایک ہی جیسے نتائج ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ قرآنی نظریۂ وحدتِ تاریخ دے کر یہ واضح کر دیا کہ تاریخ کے مختلف ادوار کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ کسی پچھلے دَور کے تجربات سے بعد میں کوئی استفادہ کرنا ممکن ہی نہ ہوتا۔

اس بنیادی مبحث کو میں نے یہ کہہ کر سمیٹا کہ یہ ہے توحید کا وہ جامع تصور جس کی بنا پہ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ توحید راس الطاعات ہے۔ جو شخص حقیقت سے مطابقت رکھنے والے عقیدۂ توحید کے مطابق نظامِ کائنات میں اپنا صحیح مقام قبول نہیں کرتا وہ اس سلطنتِ کائنات کا جائز شہری نہیں ہے۔ اس کا باغیانہ رویّہ

اتنا بڑا جرم ہے کہ جس کی تلافی بڑی سے بڑی جزوی نیکیوں سے نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص خیراتی ہسپتال کھولے یا گلیوں میں صفائی کرتا پھرے، یا لوگوں کو وظیفے اور اعانتیں دے۔ یا علوم اور فنون کے دائروں میں کارنامے دکھائے، ان چیزوں سے اس کے بنیادی جرم کی تلافی نہیں ہو سکتی، جیسے دُنیوی ریاستوں میں کوئی باغی اگر ڈاکہ زنی کر کے دولت کی تھیلیاں غربا کے گھروں میں ڈالتا پھرے تو بھی قانون اُس سے کوئی رعایت نہ برتے گا۔ بخلاف اس کے جس شخص نے اپنا صحیح مقام پا لیا، خدا کے ساتھ طاعت و بندگی کا رویہ اختیار کیا، انسانوں کے ساتھ محبت، اخوت اور خدمت کا مسلک اپنایا تو اُس کی عبادات اور اذکار تو عبادت ہیں ہی، اس کی تمام زندگی عبادت کے دائرے میں آسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ واضح کیا کہ ایسے مومن کی مختلف دینی سرگرمیاں اور بندوں کی خدمات، یہاں تک کہ راستے سے روڑے، کانٹے ہٹا دینا صحیح مقصد کے لیے تیر اندازی سیکھنا یا اہل باطل کے شعر و ادب اور ان کے محافلِ شعر و خطابت وغیرہ کا جواب دینا نیکی اور صدقہ ہے، وہاں کسی خدا پرست کا لوگوں سے مسکراتے ہوئے ملنا، ان سے قول معروف کہنا، بلکہ دوسروں کو اذیت پہنچانے سے باز رہنا صدقہ ہے۔ اپنے اہل و عیال کو حلال کی روزی بہم پہنچانا صدقہ ہے، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر بروئے حدیثِ رسولؐ لوگوں کا اپنی ازدواج کے ساتھ خوش وقت ہونا بھی صدقہ ہے۔ ایسے شخص کی وفادارانہ زندگی میں نادانستگی یا جذباتی ہیجان میں اگر کچھ لغزشیں ہو جاتی ہیں تو اُن سے نجات پانے کے لیے توبہ و اصلاح کا دروازہ کھلا ہے، پھر اُس کی بہت سی چھوٹی چھوٹی نادانستہ غلطیوں کا حساب ان تکالیف ہی کے بدل میں بے باق ہو جاتا ہے جو اُسے دُنیوی زندگی میں پیش آتی ہیں۔

یہ دراصل میرے منتشر شدہ مقالے کا تمہیدی حصہ تھا۔ آگے کے چند نکات کا یونہی میں نے اجمال ذکر کر دیا اور مقررہ وقت میں بات ختم کر لی۔ سوالات کے لیے رُک گیا، مگر دس سیکنڈ میں معلوم ہوا کہ سوالات ناپید ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ نہ صرف مجلس پر اس گفتگو کا بڑا خوشگوار اثر رہا، بلکہ مجلس کے فاضل صدر جناب اے۔ کے۔ بروہی نے میری عاجزانہ گذارشات کو بھرپور توجہ سے سُنا، اور اپنی خوبصورت صدارتی تقریر میں میری گذارشات کا حوالہ دے کر ان کو مزید تقویت پہنچائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک!

---

آخر میں میں اتنا کہہ دوں کہ اوپر جن چند غیر خوش آئند باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن سے ہرگز کوئی غلط فہمی نہ ہو جیسے کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، چونکہ مقالہ نگاروں اور سامعین کی بھاری اکثریت صحت مند رجحانات کی حامل تھی، اس لیے مجموعی طور پہ کانفرنس بہت اچھی اور کامیاب رہی۔ جس کے لیے حکومت اور محکمہ وزارتِ امورِ دینیہ، منتظمین اور شرکا جزائے خیر کے مستحق ہیں۔ آخر گاڑی جب کھٹ کھٹ کرتی کانٹا بدلتی ہے تو مسافروں کو کچھ دھچکے ضرور لگتے ہیں۔ مگر گاڑی کا رخ اگر صحیح منزل کی طرف ہو جائے تو ہزار دھچکے گوارا۔

---